یورپ میں اردو

آغا افتخار حسین

مرکزی اردو بورڈ

یورپ میں اردو

یورپ میں اُردو

آغا افتخار حسین

مرکزی اُردو بورڈ
۳۶ جی ، گلبرگ ، لاہور

بار اول

اپریل ، ۱۹۶۸ء

تعداد اشاعت ، گیارہ سو

قیمت : دو روپے پچیس پیسے

ناشر

اشفاق احمد

ڈائرکٹر ، مرکزی اردو بورڈ ، لاہور

طابع

عبدالسلام ملک

سٹی پرنٹرز ، نسبت روڈ ، لاہور

ترتیب

حرفِ آغاز

آغا افتخار حسین صاحب حکومت پاکستان کے ایک اہم اور ذمہ دار افسر ہیں اور اردو زبان سے گہری محبت رکھتے ہیں ۔ سرکاری خدمات کے سلسلے میں آغا صاحب یورپ کے کئی ملکوں میں تعینات رہے ہیں لیکن وہ جہاں بھی گئے اردو کی محبت ان کے ساتھ گئی ہے ۔

آغا صاحب نے یورپ بھر کی دانش گاہوں کا اس نظر سے جائزہ لیا ہے کہ وہاں اردو کی تعلیم و تدریس کا کیا انتظام ہے اور اردو ادب اور اردو زبان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے کیا ذرائع میسر ہیں ۔ انھوں نے یورپ کے اکثر بڑے کتب خانوں کو کھنگالا ہے تاکہ یہ سراغ ملے کہ اہل یورپ نے اردو سے متعلق کن موضوعات پر تحقیقی کام کر رکھا ہے ۔ انھوں نے یورپ کے اکثر اردو دان مستشرقین سے ملاقات کی ہے اور ان سے تبادلۂ خیال کیا ہے ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے اپنی انتہائی مصروف زندگی میں سے اتنی فرصت نکالی ہے کہ اپنی تحقیق و تلاش کو الفاظ کا جامہ پہنائیں اور کتابی صورت میں مرتب و مدون کر کے اہل اردو کے سامنے رکھیں ۔ ان کی اس کاوش سے اہل اردو کو جہاں یہ طمانیت ہو گی کہ اردو نے چار دانگ عالم میں جادو جگا رکھا ہے وہاں یہ احساس بھی ہو گا کہ دورِ حاضر میں اردو کی ترقی کے ضمن میں ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں ۔

اس مختصر سی کتاب میں آغا صاحب نے اٹلی ، برطانیہ ، چیکوسلوواکیہ ، فرانس ، جرمنی ، بلجیم ، ڈنمارک اور پرتگال میں اردو کی ترقی کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ کن درسگاہوں میں کن اہل علم کے ذریعے کس نوعیت کا علمی اور ادبی کام ہو رہا ہے ۔ فرانس

اور برطانیہ میں چونکہ وہ زیادہ دیر مقیم رہے اس لیے ان ملکوں کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم کر سکے۔ یوں بھی دوسروں کی نسبت ان دو ملکوں میں اردو کا کچھ زیادہ چرچا ہے۔ بہر حال کئی یورپی ممالک کا ذکر کتاب میں نہیں آیا۔ امید ہے کہ آئندہ اڈیشن میں یہ کمی پوری کی جا سکے گی۔ جہاں تک روس کا تعلق ہے آغا صاحب اس موضوع پر ایک الگ کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کی خواہش ہے کہ مختلف ایشیائی ممالک میں اردو کی توسیع و اشاعت پر بھی ایک سلسلہ مضامین قلمبند کریں۔

اس کتاب کی حیثیت ایک تعارف کی ہے، پھر بھی یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہمیں اردو کا روشن مستقبل صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے مطالعے سے یہ سوال بھی کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ دیار فرنگ میں اردو میں جس دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ کس حد تک ہماری کاوش کا ثمر ہے اور اسے فروغ دینے کے لیے ہم کیا جتن کر رہے ہیں۔

اشفاق احمد

تاریخی پس منظر

اٹلی میں اردو زبان کی تعلیم گزشتہ صدی عیسوی میں شروع ہو چکی تھی۔ صحیح تاریخ کا تعین تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن نیپلز کے مشرقی تعلیم کے یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ(Instituto Universitaris Orientale) میں گزشتہ صدی کے اواخر میں اردو کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ سنہ ۱۸۸۸ع تک یہ انسٹی ٹیوٹ صرف چین کے بارے میں تعلیمات کے لیے مختص تھا، لیکن اسی سال اس کے نصاب میں دیگر مشرقی ممالک کی تاریخ، تہذیب، زبان اور ادب کو بھی شامل کر لیا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ "ہندوستانی اردو" کی تعلیم کے لیے ایک پروفیسر کا عہدہ بھی قائم کیا گیا۔

اردو کی پروفیسری قائم ہونے کے چار سال بعد سنہ ۱۸۹۲ع میں اطالوی زبان میں اردو کی سب سے پہلی گرامر شائع ہوئی۔ اس گرامر کا نام "Grammatica della lingua Indostana O Urdu" تھا، یعنی 'ہندوستانی اردو زبان کی گرامر'۔ اس کے مصنف کا نام کامیلّو تالیابوئے (Camillo Tagliabue) تھا۔ یہ گرامر نیپلز میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں برصغیر پاکستان و ہند میں مسلمانوں کے ادب پر ایک مختصر مضمون بھی شامل تھا۔

سنہ ۱۹۲۱ع میں روم کے "مشرق انسٹی ٹیوٹ" (Instituto per l' Oriente) کی طرف سے ایک ماہانہ مجلہ Oriente Moderno (مشرق جدید) شائع ہؤا۔ اس مجلے کا مقصد یہ تھا کہ اٹلی کے باشندوں کو دنیائے اسلام کے تازہ ترین واقعات سے باخبر رکھا جائے۔ اس مجلے کے سیاسی اور تہذیبی حصے میں اقبال پر بھی مضامین شائع ہوئے۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں روم میں مشرق وسطیٰ و بعید کا اطالوی ادارہ ''Instituto Italiano per il Medio ed Estremo Oriente'' قائم ہوا جس کا مخفف (ISMEO) ہے۔ اس ادارے نے جلد عالمگیر شہرت حاصل کر لی۔ اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ ایشیا کے وسطی، جنوبی اور مشرقی ممالک سے تہذیبی تعلقات قائم کیے جائیں۔ اس ادارے کے قائم ہونے کے فوراً ہی بعد اردو زبان و تہذیب کی تعلیم روم، میلان، تیورن اور وینس میں شروع ہوگئی۔

اردو زبان کی تعلیم جلد ہی مقبول ہوگئی اور گرامر وغیرہ پر کئی کتابیں شائع ہوگئیں۔ ان میں حسب ذیل مصنفین کی گرامر کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

P. Santarelli (Rome—1954)
A. E. Leva (Rome—1958)
O. Bartolini (Milan—1959)

سنہ ۱۹۴۱ء میں پروفیسر ورجینیا واکا (Verginia Vacca) کی مشہور کتاب ''مسلم ہندوستان'' ''L' India Musulmana'' شائع ہوئی۔ اس خاتون کی کتاب کا مطالعہ مشرق تاریخ کے طلبہ کے لیے ناگزیر ہے۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں اقبال اٹلی گئے۔ صقلیہ پران کی طویل نظم مشہور ہے۔ مسولینی پر بھی چند شعر کہے۔ سنہ ۱۹۵۲ء میں اقبال کے جاویدنامے کا ترجمہ پروفیسر باوسانی نے کیا۔ سنہ ۱۹۵۳ء میں روم سے پروفیسر باوسانی[1]، پارے جا[2] اور ہرٹلنگ[3] نے ایک کتاب مرتب کرکے شائع کی جس میں اردو ادب کی مختصر تاریخ اور چند نظموں کے تراجم شامل تھے۔

---

1. A. Bausani
2. I. M. Pareja
3. L. Hertlinge

سنہ ۱۹۵۵ء میں پروفیسر باوسانی کے دو مضامین شائع ہوئے۔ پہلا مضمون ''اقبال کی فلسفیانہ شاعری میں ابلیس'' اور دوسرا ''انجمن ترقیٔ اردو کراچی کی تاریخ اور کارگزاری'' کے موضوع پر۔

پروفیسر باوسانی نے اقبال کی نظموں پر مبنی ایک بیاض (Anthology) بھی مرتب کی جس میں پیام مشرق، بانگ درا، زبورعجم، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۵۸ء میں پروفیسر باوسانی کی کتاب ''Storia delle Litterature del Pakistan'' (پاکستان کے ادب کی تاریخ) میلان سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو ادب کی تاریخوں میں بہت معتبر سمجھی جاتی ہے۔

اسی سال غالب پر پروفیسر باوسانی کا مضمون جرمن میگزین ''Der Islam'' کے شمارے ۳۴ میں شائع ہوا۔ اٹھائیس صفحے کا یہ مضمون تحقیق و تنقید کا شہ پارہ ہے۔ پروفیسر باوسانی نے اس مضمون میں برصغیر کی ادبی تاریخ میں غالب کا مقام متعین کرنے میں دانشوری کا حق ادا کر دیا ہے۔ میں اس مضمون میں سے چند اقتباسات اپنے مضمون ''یورپ میں غالب کا مطالعہ'' میں شامل کر چکا ہوں جو 'افکار' کے ''غالب نمبر'' میں شائع ہوا تھا۔

سنہ ۱۹۵۹ - ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر ویتوسالیرنو (Vito Salierno) نے میلان میں پاکستان کی تاریخ پر دو لیکچر دیے۔ یہ لیکچرز بعد میں فلورنس سے شائع ہوئے۔ ڈاکٹر سالیرنو عرصے تک پاکستان میں اٹلی کے کلچرل اتاشے رہے۔ آج کل میلان میں ہیں۔ انھوں نے سنہ ۱۹۶۳ء میں منتخب اردو نظموں کا اطالوی زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ اس مجموعے میں غزلیں، نظمیں، مثنویاں، مرثیے، قصیدے، رباعیاں اور ہجویات سب ہی کچھ شامل ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر سالیرنو نے احمد علی کی کہانی ''موت سے پہلے'' اور سعادت حسن منٹو کی کہانی ''نیا قانون'' کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

مشرق وسطیٰ و بعید کا اطالوی ادارہ

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ ادارہ سنہ ۱۹۳۳ع میں قائم ہوا۔ اس کے پہلے صدر مشہور اطالوی فلسفی ''جوواّنی جنیتلے'' (Giovanni Gentile) تھے۔ سنہ ۱۹۴۸ع سے مشہور مستشرق اور ماہر آثارقدیمہ پروفیسر توچی (Giuseppe Tucci) اس کے صدر ہیں۔ اس کا میدان عمل بہت وسیع ہے۔ اس کی سرگرمیوں میں تہذیبی تبادلے، سائنسی مشن، اشاعتی پروگرام، آثار قدیمہ کے احتفار، مشرقی زبانوں اور تہذیبوں کے نصاب تعلیم، ایشیائی ممالک کے لیے خصوصی براڈکاسٹ، ایشیائی فنون لطیفہ کی نمائشیں، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید میں اطالوی تہذیب کے مراکز کا قیام، اطالوی ایشیائی انجمنوں کی امداد وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان میں سوات کے علاقے میں گندھارا آرٹ سے متعلق آثار قدیمہ کی دریافتیں زیادہ‌تر اسی ادارے کے بھیجے ہوئے ماہرین کی مساعی کا نتیجہ ہیں۔

اس ادارے میں جن زبانوں کی تعلیم ہوتی ہے ان میں اردو، فارسی، بنگالی، چینی، جاپانی، انڈونیشی اور ہندی شامل ہیں۔ عموماً ہر زبان کا کورس تین سال کا ہوتا ہے لیکن بعض زبانوں میں دو سال کے مزید اعلیٰ نصاب کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ زبانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ متعلقہ ملک کی تاریخ، ادب، مذہب، فن، معاشرت وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ آج کل ضیاءالصمد صاحب اس ادارے میں اردو پڑھاتے ہیں۔

اس ادارے کی شاخیں میلان اور تیورن میں ہیں۔ ادارے کی حیثیت نیم سرکاری ہے لیکن بموجب حکم نامہ نشان ۱۰۲۷ مجریہ ۲ - جولائی سنہ ۱۹۴۷ع اس کے نصاب کو مقابلے کے امتحانوں کے لیے تسلیم کیا جاتا ہے۔ روم یونیورسٹی میں ہندی زبان کی تعلیم کے لیے پروفیسر کا عہدہ قائم کر دیا گیا ہے لیکن یونیورسٹی کے نصاب میں اردو زبان شامل نہیں۔

روم اور نیپلز کے علاوہ میلان اور تیورن میں بھی اردو زبان کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ میلان میں اردو کی تعلیم کا انتظام روم کے مشرق وسطیٰ و بعید کے ادارے ہی کی سرپرستی میں کیا گیا تھا ۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں اردو زبان و ادب کی پروفیسری قائم ہوئی ، لیکن آٹھ سال بعد سنہ ۱۹۶۴ء میں اسے ختم کر دیا گیا ۔ کوئی تیس طالب علموں نے داخلہ لیا تھا ، لیکن صرف ایک طالب علم تین سال کا کورس مکمل کر سکا ۔ اس عرصے میں اوسوالدو بارتولینی (Osvaldo Bartolini) اور مسز کنیز جعفری نے اردو کی تعلیم دی تھی — نقوی صاحب بھی چند ماہ اردو پڑھاتے رہے ۔

نیپلز میں مشرقی علوم کا ادارہ[1]

اس ادارے کی داغ بیل اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک اطالوی کیتھولک مشنری ماتیو ریپا (Matteo Ripa) نے ڈالی ۔ اس وقت اس میں صرف چین سے متعلق تعلیم دی جاتی تھی ۔ روسی کیتھولک مشن کی تاریخ میں آج بھی میتھیو Matheo (اطالوی ماتیو) ریپا کی Chinese Seminary کو نمایاں حیثیت حاصل ہے ۔ اس ادارے کی ابتدا اسی Seminary سے ہوئی ۔ ۷ اپریل ۱۷۳۲ء کو پوپ کلیمنٹ دوازدہم (Pope Clemente XII) نے اس ادارے کو تسلیم کیا اور اس کی عملی سرپرستی کرتے ہوئے جنوبی اطالیہ میں اس کے لیے ایک جائداد وقف کر دی ۔ اس جائداد میں دوسرے پاپاؤں کے عہد میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور سرکاری تحویل میں آنے سے پہلے یہ ادارہ مالی اعتبار سے نہایت مستحکم اور خود کفیل تھا اور ہے ۔ ماتیو ریپا کی یادگار آج بھی اسی طرح تازہ ہے چنانچہ ادارے کی مرکزی لائبریری کا نام "ماتیو ریپا لائبریری" (Biblioteca M.Ripa) ہے۔ ریپا ہی کے وقت یہ ادارہ نہ صرف چینی بلکہ ہندوستانی تعلیمات کے لیے

---

۱ ۔ اس ادارے سے متعلق معلومات کے لیے میں پروفیسر اقتدا حسن صاحب کا ممنون ہوں ۔

شہرت حاصل کر چکا تھا ۔ قدامت کے اعتبار سے علوم شرقیہ کی تعلیم کے لیے غالباً یہ یورپ کا قدیم ترین علمی ادارہ ہے ۔

یہ ادارہ وقت کے ساتھ ترقی کرتا رہا ۔ ۱۸۶۸ع میں اس کا نام Reale Collegio Asiatico (مشرقی علوم کا شاہی مدرسہ) رکھ دیا گیا ۔ ۱۸۸۸ع میں اس کا نام اورینٹل انسٹی ٹیوٹ (Instituto Orientale) رکھ دیا گیا ۔ ۱۹۲۵ع میں اس کا نام (Instituto Superiore Orientale) رکھا گیا اور ۱۹۳۷ع میں اسے یونیورسٹی کا درجہ دے کر (Instituto Universitario Orientale) بنا دیا گیا ۔ ۱۹۵۷ع میں ایک اور تبدیلی ہوئی اور ایک قانون کے ذریعے اس یونیورسٹی کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا ۔

اردو تدریس کی روایت اس ادارے میں بہت قدیم ہے اور جس وقت گارسین دتاسی پیرس میں درس دے رہے تھے اس وقت یہاں پرکامیلّو تالیابوے (Camillo Tagliabue) اردو کے پروفیسر تھے ۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں لیکن ان کی گرامر (Grammatica della lingua Indostana O Urdu) ''ہندوستانی یا اُردو زبان کی قواعد'' بہت مشہور ہے ۔ یہ دو جلدوں میں ہے ۔ جلد اول میں ۲۵۸ صفحات ہیں اور جلد دوم میں ۲۹۰ صفحات ہیں اور دونوں جلدیں ۱۸۹۲ع میں روم میں شائع ہوئی ہیں ۔ نہیں معلوم کہ پروفیسر تالیابوے کتاب کی اشاعت کے بعد کتنے سال اور درس دیتے رہے اور ان کے انتقال کے بعد اردو کی قسمت کس سے وابستہ رہی ۔ عالمی جنگ (دوم) میں یہاں ایک اجیت سنگھ صاحب بھی اردو پڑھاتے تھے ۔ غالباً ۱۹۵۵ع مین پروفیسر باوسانی (Prof. Bausani) یہاں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے آئے ۔ اس وقت فارسی کے پروفیسر کی اسامی خالی نہ تھی اس لیے انھوں نے اردو کے استاد کی حیثیت سے اپنی درسی زندگی کا آغاز کیا ۔ نیپلز یونیورسٹی میں تین چار سال بعد جب فارسی کے پروفیسر کی جگہ ان کا تقرر ہوا تب بھی وہ ساتھ ساتھ اردو کے پروفیسر بھی رہے ۔ جنوری ۱۹۶۰ع میں

ڈاکٹر اقتدا حسن اردو کے لکچرر مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۶۴ع سے انھیں اردو اور ہندی کا پروفیسر بنا دیا گیا ہے۔

اس یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کا نصاب چار سال کا ہے۔ اس ادارے میں متعلقہ شعبے کا نام ''شعبۂ اردو و ہندی'' ہے۔ اس شعبے کا قدیم نام ''ہندوستانی'' تھا مگر قیام پاکستان کے چند سال بعد ''اردو ہندی'' کردیا گیا۔ اردو پروفیسر کی صرف ایک اسامی ہے اور وہی اردو و ہندی کا مشترکہ استاد ہے۔ لکچرروں کی تعداد زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس وقت ادارے میں ہندی کا باقاعدہ لکچرر نہیں ہے، لیکن بہت جلد کسی کا تقرر کر لیا جائے گا۔ ہندوستان اور پاکستان کی ثقافت، ادب، زبان، تاریخ وغیرہ کی تقسیم مشترکہ ہوتی ہے فیکلٹی کی ڈاکٹریٹ کا نام (Doctorate in Oriental Languages and Civilization) ہے۔ اس لیے طالب علم صرف متعلقہ علاقے کے زبان و ادب ہی نہیں بلکہ تاریخ و ثقافت اور سیاست وغیرہ سب ہی کچھ پڑھتے ہیں اور ڈاکٹریٹ کے لیے جو مقالہ ہے وہ اس علاقے سے متعلق کسی بھی موضوع پر ہوسکتا ہے۔ مثلاً ۱۹۶۵ع میں شعبے سے ایک طالب علم نے ڈاکٹریٹ کے لیے Basic Democracies System of Pakistan کے موضوع پر مقالہ لکھا جو بہت پسند کیا گیا۔ اس لیے اردو ہندی کے شعبے سے صرف زبان و ادب مراد نہیں ہے۔ اسی لیے اب یہ لوگ اس شعبے کا نام بدل کر Indo-Pakistan Studies رکھنے والے ہیں۔

تیورن TURIN

تیورن یونیورسٹی میں بعض طلبہ اردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے منتخب کرتے تھے۔ اردو فارسی کی تعلیم اقبال شیدائی صاحب کے سپرد تھی جن کی رہنمائی میں ایک لائبریری بھی قائم کی گئی تھی، جس کا نام ''بابائے اردو لائبریری'' تھا۔

جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدر مملکت منتخب ہوئے تو تیورن میں اردو کے طالب علموں نے صدر موصوف کو خط لکھا جس میں اردو

لائبریری کے لیے کتابیں ارسال کرنے کی درخواست کی۔ خط ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

از تیورن

بخدمت عالی جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان
صدر جمہوریۂ پاکستان راولپنڈی، پاکستان۔

عالی جاہ! ہم دستخط کرنے والے جو آپ کی قومی زبان کے سیکھنے والے ہیں، آپ کو انتخاب صدارت کی کامیابی پر مبارک باد عرض کرتے ہیں۔ آپ کے ہم وطن جنھوں نے آپ کو اپنا راہنما چننے میں اپنی حب الوطنی اور دانش مندی کا ثبوت دیا ہے، بہت ہی تعریف کے قابل ہیں۔

جب یہ خبر ہم نے اپنے ملکی اخبارات میں پڑھی تو ہم نے اپنے پروفیسر الحاج محمد اقبال شیدائی صاحب سے خواہش کی کہ وہ ہماری تبریک آپ کی جناب میں پہنچا کر ممنون فرمائیں۔ عالی جاہ! ہم دستخط کرنے والے اردو کلاسوں کے پہلے اور دوسرے سال میں آپ کی قومی زبان کی تعلیم پروفیسر محمد اقبال شیدائی سے حاصل کرنے کا فخر رکھتے ہیں۔ پچھلے سال اردو زبان کا طالب علم سینئر زلفور الین ہندی، چینی اور جاپانی زبانوں کے طلبہ میں اول آیا اور پچاس ہزار لیرا (۳۰ پونڈ) انعام جیتا۔ پچھلے سال اپریل کی ۲۸ تاریخ کو یوم اقبال کی تقریب پر، جو ہمارے خوبصورت شہر میں منعقد ہوئی، ہماری دو طالبات (گراتسیہ اچیبتو خانم اور روز آلاتا دیو خانم) نے عزت مآب خان سمیع اللہ خان دہلوی، سفیر پاکستان (روما) اور السید ممتاز حسن، نائب صدر اقبال اکیڈیمی کو اردو اور اطالوی زبانوں میں خوش آمدید کہا۔ اس طرح آپ کی قومی زبان کا تمام اٹلی میں بہت چرچا ہوا۔ بابائے اردو داکتور مولوی عبدالحق صاحب نے اردو زبان کے امتحان میں اول، دوم اور سوم درجات حاصل کرنے والے طلبہ کو کتابوں کی شکل میں انعام دیے۔ ان طلبہ یا طالبات کے نام یہ ہیں:

۱۔ گراتسیہ اچیبتو خانم۔
۲۔ روز آلاتادیو خانم۔

۳ - میجر ارمانو مارینی -

بابائے اردو نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ وہ تیورن میں قائم شدہ "بابائے اردو لائبریری" کے لیے اردو ادب پر کتابیں ارسال فرمائیں گے -

عالی جاہ ! ہم نہایت ادب سے آپ کی جناب میں اور آپ کی حکومت کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ہماری "بابائے اردو لائبریری" کے لیے اردو کی کتابیں ارسال فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں - پاکستان زندہ باد، فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر جمہوریہ پاکستان زندہ باد ، اطالیہ زندہ باد -

عالی جاہ ! ہم ہیں آپ کے ، آپ کی حکومت اور آپ کی زبان کے خیر خواہ -

دستخط طلبائے اردو

مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۶۰ء

مصنفین ، ان کی تصانیف اور متفرق معلومات

میلان میں علوم مشرقیہ کے استاد پروفیسر بارتولینی کے دو خطوط مولوی عبدالحق کے نام "قومی زبان" ، کراچی ، شمارہ ۱۶ فروری و یکم مارچ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئے ہیں - یہ خطوط ۱۸ اور ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو لکھے گئے تھے - ان خطوں میں مولوی صاحب سے اردو کی کتابیں ارسال کرنے کی درخواست کی گئی تھی -

پروفیسر الیزاندرو باوسانی (Alessandro Bausani) ۱۹۲۱ء میں روم میں پیدا ہوئے - اوائل عمر میں عربی ، ترکی ، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی - ۱۹۴۳ء میں روم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ حاصل کیا - ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۷ء تک روم یونیورسٹی میں فارسی ادبیات کے پروفیسر رہے - ۱۹۵۷ء سے نیپلز کے مشرق علوم کے ادارے میں شعبۂ اردو اور فارسی کے صدر کے عہدے پر فائز ہیں - اردو زبان و ادب کی خدمت کے اعتراف کے طور پر ۱۹۵۹ء میں پروفیسر باوسانی کو صدر پاکستان نے ستارۂ امتیاز کا اعزاز دیا -

اردو سے متعلق پروفیسر باوسانی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

Su alcune recenti pubblicazioni Urdu in Oriente Moderno, Rome, 1947, pp. 233—241.

(اردو کی چند حالیہ مطبوعات پر ایک تبصرہ)

Dante and Iqbal, in East and West, Roma, vol. II, 1951—52, pp. 77—82.

(دانتے اور اقبال)

Dante and Iqbal in Pakistan Miscellany, Karachi, 1952, pp. 75—83.

(دانتے اور اقبال)

M. Iqbal. Il Poema Celeste, Traduzione dal testo persiano con introduzione e note di A. B. Roma, ISMEO, 1952.

(اقبال کی "سماوی" نظمیں - فارسی سے ترجمہ مع مقدمہ و حواشی)

Satana nell'opera filosofico-poetica di Muhammad Iqbal-1873 1938 in Rivista degli Studi Orientali Roma, 1955,pp. 55—102.

(ابلیس - اقبال کی فلسفیانہ نظموں میں)

Storia e attivita della "Anjuman-Taraqqi-i-Urdu "di Karachi in Oriente Moderno, Roma 1955, pp. 331-345 , 536-548.

(انجمن ترقیٔ اردو کی تاریخ اور کارگزاری)

Poesie di M. Iqbal. Traduzione dal persiano e dall'Urdu con introduzione e note di A. Bausani. Parma, Guanda, 1956.

(اقبال کی فارسی اور اردو نظموں کے تراجم)

Sguardo alle Letterature del Pakistan, in Oriente Moderno, Roma, 1957, pp. 400—424.

(پاکستان کے ادب پر ایک نظر)

Storia delle Letterature del Pakistan, Milano, Nuova Accademia Editrico, 1958.

(پاکستان کے ادب کی تاریخ)

Ek European ki Nazar men Urdu ki Ahammiyat, in Mihr-i-Nimroz, 1958.

(ایک یورپین کی نظر میں اردو کی اہمیت)

The Position of Galib (1796-1869) in the History of Urdu and Indo-Persian Poetry, in Der Islam, vol. XXXIV, 1959, pp. 99—127.

(ہند و ایران کی شاعری میں غالب کا مقام)

گبر ناتس (Count de Grubernatis) اپنی ایک کتاب[1] میں ایک کتاب کا ذکر کرتا ہے جو ہندوستانی گرامر سے متعلق ہے۔ اس کتاب کا نام حسب ذیل ہے۔

(Gramatic Mora Vool dire Hindustani, adopera i Carotteri Dernagri) گریرسن کا خیال ہے کہ یہ کتاب مخطوطے کی شکل میں ہے جو غالباً اٹھارھویں صدی کا ہے۔

—— کاسیانو بیلی گاتی (Cassiano Beliggatti) کی کتاب کا نام "برہمنی ابجد" (Alfabetum Brammhanicum) ہے۔ اس کا دیباچہ امادوذی (Amaduzzi) نے لکھا ہے جس میں ہندوستانی زبانوں کا جو اس وقت رائج تھیں، ذکر کیا ہے۔ اس میں فرانسس ماریادوتورکی اس لغت کا بھی ذکر ہے جو ۱۷۰۴ع میں روم کے تبلیغی کتب خانے میں داخل کی گئی اور جس کا مخطوطہ مجھے ببلیوتک ناسیونال پیرس میں ملا۔ یہ اردو کا قدیم ترین لغت ہے۔[2]

۱- Bulletino Italiano degli Studii Orientali, Firenze, 1876-77, pp. 44-45.

۲- اس لغت پر ایک مضمون میری کتاب "مخطوطات پیرس"، کراچی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ع میں شامل ہے۔

——پالی نس بارتو مولیو (Paulinus as Barthomolaes) نے ایک کتاب کا دیباچہ لکھا ہے - یہ کتاب ہندوستانی ابجد پر ہے اور ۱۷۹۱ء میں روم سے شائع ہوئی - کتاب کا مصنف نا معلوم ہے -

روم یونیورسٹی میں ہندوستان کے ایک استاد پروفیسر مصرا نے پریم چند کے چند منتخب افسانوں کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۹۶۵ء ع میں شائع کیا ہے -

برطانیہ

لندن میں مشرقی اور افریقی علوم کا مدرسہ

لندن میں علوم مشرقیہ کا سب سے مشہور ادارہ سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز (School of Oriental and African Studies) ہے۔ انیسویں صدی تک انگلستان میں مشرقی علوم کی تعلیم اور تحقیق کے لیے باقاعدہ ادارہ موجود تھا، لیکن لندن یونیورسٹی میں چند پروفیسر مشرقی علوم کے ماہر تھے اور مختلف کالجوں میں ان مضامین میں درس دیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انگلستان کے دانشوروں اور خصوصاً علمی اور ادبی انجمنوں نے کوشش کی کہ مشرقی علوم کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا جائے۔ ان انجمنوں میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے خاص طور پر حصہ لیا۔ آخرکار ۱۹۰۷ء میں لندن یونیورسٹی کی سینیٹ اور کئی علمی انجمنوں نے حکومت سے درخواست کی کہ اس قسم کا ادارہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کو اس مسئلے کے بارے میں ایک رپورٹ مرتب کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس کمیٹی کے صدر ''لارڈ رے'' (Lord Reay) تھے۔ اس کمیٹی نے ۲۳ دسمبر ۱۹۰۸ء کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں تجویز کیا گیا کہ ایک ایسا مدرسہ قائم کیا جائے جس میں انتظامیہ اور تجارتی عہدوں کے لیے افریقہ اور ایشیا بھیجے جانے والے افسروں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور قدیم اور جدید مشرقی زبانوں اور علوم کی تعلیم اور تحقیق کی سہولتیں بھی بہم پہنچائی جائیں۔

اس رپورٹ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سکریٹری آف سٹیٹ نے ایک کمیٹی قائم کی جس کو ہدایت کی گئی کہ وہ لندن میں مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کرنے کے لیے تجاویز

پیش کرے۔ آخر کار ۵ جون ۱۹۱۶ء کو شہنشاہ برطانیہ نے ایک منشور کے ذریعے یہ مدرسہ قائم کرنے کی منظوری دے دی۔ اس سکول کے لیے ایک مجلس منتظمہ کا تقرر کیا گیا جس کے صدر سرجان پریسکوٹ ہیوٹ (Sir John Prescott Hewett) مقرر ہوئے۔ سرجان اس سے پہلے ہندوستان میں یوپی کے لفٹننٹ گورنر رہ چکے تھے۔ اس سکول کے سب سے پہلے ڈائرکٹر سر ڈینی سن راس تھے۔ یہ سکول لندن یونیورسٹی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا اور لندن یونیورسٹی کے وہ پروفیسر جو مشرقی زبانوں کی تعلیم دیتے تھے اس سکول میں منتقل کر دیے گئے۔ سکول میں طلبہ کا داخلہ ۱۸ جنوری ۱۹۱۷ء سے شروع ہوا۔ ۲۳ فروری کو شہنشاہ جارج پنجم نے سکول کے افتتاح کی رسم ادا کی۔ جولائی تک طلبہ کی تعداد ۹ سے بڑھ کر ۱۶۵ ہوگئی اور پہلے دس سال میں یہ تعداد تین ہزار سے زیادہ ہوگئی۔ ۱۹۳۸ء میں اس مدرسے کا نام ''سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز'' رکھ دیا گیا۔

دوران جنگ میں اس سکول نے اہم خدمات انجام دیں۔ اس کا کچھ حصہ کیمبرج میں منتقل کر دیا گیا جہاں صوتیات کی لیباریٹری میں عربی اور ترکی زبانوں میں بات چیت سکھانے کے علاوہ وزارت دفاع اور وزارت اطلاعات کے لیے ترجمہ اور ڈاک، تاروں اور اخباروں کو سنسر کرنے کا کام بھی اسی سکول میں کیا گیا۔ جب انگلستان اور جاپان کی جنگ شروع ہوئی تو مشرق بعید کی زبانوں کی تعلیم دینے کی ضرورت پر بھی غور کیا گیا، اور چینی اور جاپانی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کر دیا گیا۔

جنگ کے بعد سکول کے لائحہ عمل کو کچھ اور وسعت دی گئی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں یہ طے کیا گیا کہ سکول میں نہ صرف مشرقی زبانوں کی تعلیم دی جائے بلکہ مشرقی ملکوں کی تاریخ و تمدن اور قدیم اور جدید ثقافت کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جائے۔ چنانچہ جنوب

مشرق ایشیا کے لیے تین نئے شعبے کھولے گئے جن میں قانون ، عمرانیات ، معاشیات اور سیاسیات کی تعلیم دی جاتی ہے -

سنہ ۱۹۵۰ء میں سر پرسیول ڈیوڈ نے لندن یونیورسٹی کو چند نہایت قیمتی چینی نوادر اور کتب خانہ پیش کیا جس کے انتظام میں اس مدرسے کے عہدیدار بھی شریک ہیں - آج کل اس مدرسے کے ڈائرکٹر مسٹر سی ایچ فلپس ہیں جو سنہ ۱۹۳۶ء سے اس مدرسے میں مشرقی تاریخ کے پروفیسر اور صدر شعبہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں - اس مدرسے میں دس شعبے ہیں ، جن کی تقسیم زیادہ تر جغرافیائی اور ثقافتی لحاظ سے کی گئی ہے - شعبوں اور مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے -

۱ - شعبۂ ہندوستان ، پاکستان و سیلون

اس شعبے میں مندرجہ ذیل مضامین کی تعلیم کا انتظام ہے :

زبانیں :- سنسکرت ، پالی ، پراکرت ، بنگالی ، گجراتی ، ہندی ، کنڑی ، ملیالم ، مرہٹی ، نیپالی ، اڑیا ، سنہالی ، تامل ، تلنگی اور اردو زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے -

تاریخ و تمدن :- آثار قدیمہ اور فن کی تاریخ ، ہندوستانی فلسفہ اور مذہب ، ہندی آریائی زبانوں کے ارتقا کی تاریخ ، بودھ اور جین مذاہب کے بارے میں مختلف موضوعات -

ہندوستان ، پاکستان اور سیلون کی زبانوں اور ادب کے لیے ابتدائی تعلیم کا انتظام بھی ہے اور اعلیٰ تعلیم کا بھی - جو طالب علم ان زبانوں سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے یا بہت کم واقفیت رکھتے ہیں انھیں زبانیں سکھانے کے لیے ایک سال کا ابتدائی کورس ہے - پالی اور پراکرت زبانوں کے علاوہ دیگر تمام زبانوں کے لیے ابتدائی کورس کا انتظام موجود ہے - اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ ایک سال کے بعد طالب علم اس قابل ہو جائے کہ زبان کے ڈگری کورس میں داخلہ لے سکے - بعض اوقات دوسرے شعبوں کے طالب علموں کو بھی زبان سے واقفیت کی

ضرورت ہوتی ہے اور یہ ابتدائی کورس ان کی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے -

مدرسے کا اہم ترین کورس بی - اے - آنرز کی ڈگری کے لیے ہے - یہ کورس تین سال کا ہے اور مندرجہ ذیل زبانوں میں اس کورس کی تعلیم دی جاتی ہے -

قدیم کلاسیکی زبانیں :- سنسکرت ، پالی -

جدید زبانیں :- بنگالی ، ہندی ، مرہٹی ، سنہالی ، تامل ، اردو -

۲- شعبۂ جنوب مشرقی ایشیا اور جزائر

اس شعبے میں آنرز ڈگری کے لیے مندرجہ ذیل مضامین کی تعلیم کا انتظام ہے - عمومی تعلیمات ، آرٹ اور آثار قدیمہ ، برمی زبان ، انڈونیشیا کی زبانیں ، مون اور خیمر (کمبوڈین) زبانیں ، فجی اور سامون کی زبانیں ، تھائی لینڈ اور ویت نام کی زبانیں اور علم الانسان -

۳ - شعبۂ مشرقی ایشیا

اس شعبے میں چین اور جاپان کی زبانوں کے لیے آنرز ، ایم ، اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لیے تعلیم و تحقیق کا انتظام ہے - اس کے علاوہ تبت ، کوریا اور منگولیا کی زبانوں میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم بھی دی جاتی ہے -

۴ - شعبۂ مشرق قریب و مشرق وسطیٰ

اس شعبے میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے :-

عربی زبان و ادب ، اسلامیات ، اسلامی آرٹ اور آثار قدیمہ ، جدید عبرانی زبان و ادب ، فارسی زبان و ادب (جدید و قدیم ، جن میں اوستا ، پہلوی ، وغیرہ بھی شامل ہیں) ایرانی تاریخ و تمدن ، آرمینی تاریخ و تمدن ، زبانیں اور ادب ، جارجیا کی تاریخ و تمدن ، زبان اور ادب ، ترکی تاریخ و تمدن ، زبان اور ادب - ان مضامین میں بیشتر کے لیے آنرز کورس کے علاوہ پی ایچ ڈی تک کی سطح کے لیے تحقیق کی سہولتیں حاصل ہیں -

۵ - شعبۂ افریقہ

اس شعبے میں لسانیات کے مضمون میں ایم اے تک اور افریقی زبانوں میں تحقیق کے لیے پی ایچ ڈی تک تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے -

۶ - شعبۂ صوتیات و لسانیات

اس شعبے میں عمومی لسانیات اور صوتیات کے لیے ایم اے کی ڈگری کے لیے تعلیم اور تحقیق کے لیے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے کام کرنے کی سہولتیں موجود ہیں - لسانیات اور صوتیات کے موضوعات پر مدرسے کے اساتذہ لیکچر دیتے ہیں اور سیمینار بھی منعقد کیے جاتے ہیں - اس شعبے میں سینتیس مشرق زبانوں کی صوتیات پر لیکچرز کا انتظام کیا گیا ہے -

۷ - شعبۂ تاریخ

اس شعبے میں جنوبی ایشیا ، مشرق قریب ، مشرق وسطیٰ ، مشرق بعید اور جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ کی قدیم و جدید تاریخ میں آنرز اور اعلیٰ تر ڈگریوں کے لیے تعلیم و تحقیق کا انتظام ہے - اس کے علاوہ طالب علموں کے لیے کورس کا انتظام بھی کیا گیا ہے جو کسی زبان میں ڈگری یا ڈپلوما لینا چاہتے ہیں اور اس کے لیے متعلقہ تاریخ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے -

۸ - شعبۂ قانون

قانون کے طیلسانین کے لیے اس شعبے میں ایل ایل ایم اور ڈاکٹریٹ کے لیے کام کیا جا سکتا ہے - اسلامی قانون ، ہندو قانون ، ہند و پاکستان کے دستوری قانون ، اور افریقی قانون پر سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں - اس کے علاوہ ہندو قانون ، اسلامی قانون اور ہندوستان کے تعزیری قانون پر لیکچرز کا انتظام بھی ہے -

۹- شعبۂ علم الانسان و عمرانیات

اس شعبے میں افریقہ اور ایشیا سے متعلق علم الانسان کے

موضوعات پر ایم اے اور پی ایچ ڈی کے لیے تحقیق کی تمام سہولتیں میسر ہیں ۔ جو طلبہ افریقی علم کے بی اے آنرز کورس میں داخلہ لیتے ہیں ان کے لیے اس شعبے میں عمرانی علم الانسان کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ اس کے علاوہ ہندوستانی اور افریقی علم الاقوام کے سرٹیفکیٹ کے لیے بھی ایک کورس ہے ۔

۱۰ - شعبۂ معاشیات و سیاسیات

ایشیائی ممالک کے معاشی اور سیاسی مسائل پر ماسٹر آف اکنامکس اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لیے کام کرنے کا انتظام ہے ۔ ہر سال جنوبی ایشیا کے معاشی اور سیاسی مسائل پر بحث کرنے کے لیے ایک سیمینار بھی منعقد کیا جاتا ہے ۔

اس مدرسے کے ڈائرکٹر مسٹر فلپس سے گزشتہ سال لندن میں میری ملاقات ہوئی تھی ۔ موصوف نے بہت صاف گوئی سے کام لیا ۔ ان کی رائے ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے طلبہ کی تحقیق کا معیار زیادہ بلند نہیں ۔ یہ طلبہ توقع کرتے ہیں کہ انھیں زیادہ موضوعات پر لیکچر اور ہدایات دی جائیں ۔ خود جستجو کر کے تحقیق اور تجزیے کی عادت اور صلاحیت زیادہ طالب علموں میں نہیں ملتی ۔

اس مضمون میں میں نے مشرقی علوم کے مدرسے کی تاریخ اور شعبہ جات کا مختصراً ذکر کیا ہے ۔

لندن یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم

لندن یونیورسٹی کے مشرقی علوم کے مدرسے میں ایک شعبہ ہندوستان، پاکستان اور سیلون کی تاریخ و تمدن اور ثقافت کے لیے مختص ہے۔ اس شعبے میں دیگر زبانوں کے علاوہ پاکستان کی قومی زبانوں اردو اور بنگالی کی تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ گزشتہ سال کے شروع میں جب میں انگلستان میں تھا تو مجھے اس شعبے کے بعض اساتذہ سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ ان میں سے ایک رالف رسل صاحب بھی ہیں جو شعبہٴ اردو کے ریڈر ہیں۔ موصوف سے اردو زبان کی تعلیم کے بارے میں مجھے کئی صحبتوں میں تفصیل سے تبادلہٴ خیالات کا موقع ملا۔ میری درخواست پر رسل صاحب نے ایک نوٹ مرتب کرکے مجھے عنایت فرمایا جس میں لندن میں اردو کی تعلیم اور اس کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس مضمون میں اسی نوٹ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

جیسا کہ میں گزشتہ مضمون میں عرض کر چکا ہوں، سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز لندن یونیورسٹی سے ملحق ہے۔ اس میں اردو کی تعلیم کے لیے دو اساتذہ مقرر ہیں۔ ایک اہل زبان (پاکستانی یا ہندوستانی) اور ایک انگریز — انگریز استاد کا تقرر مستقل طور پر کیا جاتا ہے اور اہل زبان کے لیے جو عہدہ مختص ہے اس پر عموماً تین سال کے لیے تقرر کیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں اس تقرر میں ایک دو سال کی توسیع بھی ہو جاتی ہے۔ آج کل رالف رسل صاحب اردو کے ریڈر

ہیں اور ڈاکٹر عبادت بریلوی لکچرر۔ مدرسے میں بی۔ اے عمومی
اور بی۔ اے آنرز کی تعلیم کے لیے باقاعدہ انتظام ہے اور ایم۔ اے اور
پی۔ایچ۔ڈی کے لیے تحقیق کا کام کرنے کے لیے مناسب سہولتیں موجود ہیں۔

بی۔ اے آنرز کورس

اردو زبان میں بی۔ اے آنرز کی تعلیم اس شعبے میں خاص اہمیت
رکھتی ہے۔ اس کورس کی ابتدا سنہ ۱۹۴۵ع میں ہوئی اور اس میں
وقتاًفوقتاً انگریز، امریکی، سوئس طلبہ و طالبات نے اس نصاب کی تعلیم
حاصل کی۔ یہ کورس پہلے تین سال کا تھا لیکن اب چار سال کا کر دیا گیا
ہے۔ پہلے سال میں طالب علم کو اردو لکھنا، پڑھنا اور بولنا سکھایا
جاتا ہے۔ رسل صاحب کو اعتراف ہے کہ زبان سکھانے کے اس ابتدائی
کام کے طریق کار میں ابھی اصلاح کی گنجائش ہے۔ غیر ملکیوں کو
زبانیں سکھانے کے لیے اب جدید سائینٹفک طریقے ایجاد ہوگئے ہیں۔ چنانچہ
اب زبان سکھانے کے لیے بیشتر ملکوں میں لیباریٹری کا استعمال کیا جاتا
ہے۔ ابھی اردو سکھانے کے لیے جدید طریقوں کے استعمال کا خاطر خواہ
انتظام لندن کے مدرسے میں نہیں ہوا ہے لیکن زبان کی لیباریٹری قائم
کرنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ پہلے سال زبان کی
ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد جب طالب علم دوسرے سال میں داخل
ہوتا ہے تو اسے ادب کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ بی۔ اے آنرز کے
امتحان کے لیے حسب ذیل آٹھ پرچے ہوتے ہیں۔ ہر پرچہ تین گھنٹے کا
ہوتا ہے۔

پہلا پرچہ: اردو کے متن سے انگریزی میں ترجمہ۔ اس پرچے میں نصاب
کی مقررہ کتابوں میں سے متن دیے جاتے ہیں۔ ترجمے کے علاوہ
تحریر کے موضوع اور مصنف کے بارے میں بھی سوالات کیے
جاتے ہیں۔ یہ پرچہ متقدمین کی تصنیفات کے لیے مختص ہے۔

دوسرا پرچہ: یہ پرچہ بھی پہلے پرچے کی نہج پر مرتب ہوتا ہے۔ اس میں

متاخرین کی تصنیفات کے متن ترجمے کے لیے دیے جاتے ہیں ۔

تیسرا پرچہ : اس پرچے میں ایسے متن ، ترجمے (اردو انگریزی) کے لیے دیے جاتے ہیں جن کا تعین نصاب میں نہیں کیا جاتا ۔

چوتھا پرچہ : انگریزی سے اردو میں ترجمہ اور اردو مضمون نگاری وغیرہ ۔

پانچواں پرچہ : تاریخ ادب اردو ۔

چھٹا پرچہ : تاریخ برصغیر ہند و پاکستان ۔ اس میں زیادہ تر اسلام کی ابتدائی تاریخ اور برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے بعد کے دور پر سوالات کیے جاتے ہیں ۔

ساتواں اور آٹھواں پرچہ : ان دو پرچوں کا انتخاب طالب علم کی صوابدید پر منحصر ہے۔ حسب ذیل موضوعات میں سے دو موضوعات منتخب کیے جا سکتے ہیں :

۱ ۔ عمومی لسانیات (مع صوتیات) ۔

۲ ۔ اردو کے تاریخی قواعد (اس مضمون کے طالب علم کے لیے عمومی لسانیات اور سنسکرت بحیثیت ضمنی مضمون لینا ضروری ہے) ۔

۳ ۔ ہندی آریائی زبانوں کی تاریخ (اس کے لیے سنسکرت بحیثیت ضمنی مضمون ضروری ہے) ۔

۴ ۔ اردو ادب کے بارے میں کوئی ایک موضوع ۔

۵ ۔ ہندوستان میں سیاسی اور سماجی افکار ، رام موہن رائے سے جواہر لال نہرو تک (اس موضوع کی تعلیم معاشیات اور سیاسیات کے شعبے میں دی جاتی ہے) ۔

۶ ۔ اسلامی قوانین اور فقہ کے اصول اور دور جدید میں ان کا استعمال ۔

۷ ۔ ہندوستان اور پاکستان میں اسلام ۔

۸ ۔ ہندوستانی موسیقی کی تاریخ اور اصول ۔

۹ ۔ ہندوستانی آرٹ اور آثار قدیمہ ۔

ان کے علاوہ زبانی امتحان بھی انگریزی اور اردو زبان میں لیا جاتا ہے ۔

بی ۔ اے آنرز کے طالب علموں کے لیے ایک مرکزی مضمون کے علاوہ ایک ضمنی مضمون لینا بھی لازمی ہے اور اردو آنرز کے طالب علم حسب ذیل مضامین میں سے کوئی ایک لے سکتے ہیں ۔

سنسکرت ، فارسی ، عربی ، ہندی ، بنگالی ، گجراتی ۔

ان مضامین کا نصاب وہی ہوتا ہے جو ان مضامین کے بی ۔ اے (عمومی) کے لیے مقرر کیا گیا ہے ، البتہ ضمنی مضامین لینے والوں کو ان مضامین ہیں بی ۔ اے (عمومی) کے تین پرچوں میں سے صرف دو پرچوں کا امتحان دینا ہوتا ہے ۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے بی ۔ اے آنرز اردو کے پہلے دو پرچے متقدمین اور متاخرین کی تصانیف اور متن سے متعلق ہیں ۔ ان پرچوں کا مقررہ نصاب حسب ذیل ہے :

پہلا پرچہ (متقدمین) :

دس غزلیں (ولی اور سودا) ۔

میر — سات غزلیں اور ایک مثنوی ''معاملات عشق'' ۔

میرحسن — سحرالبیان ۔

نظیراکبر آبادی — بنجارہ نامہ ، روٹی نامہ اور موسم زمستان ۔

غالب — چھ غزلیں اور ''معذرت'' ۔

میر امن — باغ و بہار (سرگزشت آزاد بخت بادشاہ کی) ۔

غالب — بیس خطوط ۔

دوسرا پرچہ (متاخرین) :

حالی — مسدس ۔

اکبر — جلوہ دربار دلی ۔

اقبال — خضر راہ ۔

سید احمد خاں — اسباب بغاوت ہند ۔

نذیر احمد—فسانۂ مبتلا -
محمد حسین آزاد—آب حیات ، انشا اور مصحفی کا بیان -
حالی—مقدمہ شعر و شاعری (دوسرا نصف حصہ) -
رسوا—امراؤ جان ادا -
پریم چند—تین کہانیاں ، عیدگاہ ، نمک کا داروغہ اور غم نہ داری بز بخر -

بی - اے عمومی کورس

اس کورس کا طالب علم اردو ادب کو دیگر مضامین کے ساتھ منتخب کرتا ہے ، یعنی اردو کی اہمیت اتنی ہی ہوتی ہے جتنی دوسرے دو مضامین کی جو بی - اے (عمومی) کورس میں لینا ضروری ہیں - اس لیے اس کورس کے طالب علموں کے لیے اردو کا کورس آنرز کورس کے مقابلے میں کم ہوتا ہے اور عملی صورت میں عمومی کورس آنرز کورس کی حیثیت رکھتا ہے - اس کورس میں اب طلبہ کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ اب اس کی اجازت دے دی گئی ہے کہ جو طلبہ بنگالی ، ہندی ، گجراتی وغیرہ کو مرکزی مضمون کی حیثیت سے اختیار کریں وہ اردو عمومی کورس کو ضمنی مضمون کی حیثیت سے منتخب کر سکتے ہیں -

ایم - اے اور پی - ایچ ڈی کے لیے تحقیقی کام

ایم - اے اور پی - ایچ ڈی کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں - یہ ڈگریاں تحقیقی کام کی بنا پر دی جاتی ہیں - بعض برطانوی طالب علموں نے بی - اے آنرز کرنے کے بعد تحقیق کا کام شروع کیا لیکن اسے ختم نہ کر سکے - ایک برطانوی طالب علم نے غالب پر دو سال کام کیا - دوسرے طالب علم نے نظیر اکبر آبادی پر ایک سال تحقیق کی ایک اور صاحب نے میر پر دو سال تک کام کیا - رسل صاحب کہتے ہیں کہ وہ برطانوی طلبہ کو بی - اے آنرز کے بعد فوراً پی - ایچ ڈی کے لیے کام

کرنے کی رائے نہیں دیتے - ان کا خیال ہے کہ صرف چار سال تک اردو پڑھنے کے بعد اردو ادب کے کسی مسئلے پر اعلیٰ تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونا بہت مشکل ہے لیکن ایم - اے کی سطح پر ضرور کیا جا سکتا ہے اور یہ کام خاصا کارآمد بھی ہو سکتا ہے چونکہ اردو ادب کے بارے میں انگریزی زبان میں تحقیقی مقالوں کی بہت ضرورت ہے -

حال ہی میں لندن یونیورسٹی میں جو تحقیقی کام ہؤا ہے اور ہو رہا ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے :

مس فیروز حسن نے ''رتن ناتھ سرشار'' پر مقالہ لکھا - وہ سنہ ۱۹۶۴ع میں پی - ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے منظور کر لیا گیا - آج کل ''خالد حسن قادری ''حسرت موہانی'' پر کام کر رہے ہیں - گزشتہ سال ایس ایم شاہ شمس الدین صدیقی نے تحقیقی کام کے لیے داخلہ لیا ہے - شاہ صاحب فورٹ ولیم کالج کے اہل قلم پر تحقیق کر رہے ہیں اور صدیقی صاحب ''کلیات سودا'' کے ایک مخطوطے پر کام کر رہے ہیں جس پر مقدمے کے علاوہ متن کا تعین اور حواشی تحریر کریں گے -

آئندہ باب ان مسائل کا جائزہ لیا جائے گا جو لندن میں اردو زبان و ادب کی تدریس و تحقیق کے سلسلے میں پیش آتے ہیں -

لندن یونیورسٹی

اردو کی تعلیم کے چند مسائل

لندن کے قیام کے دوران میں اردو کی تعلیم کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں لندن کے سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز میں اکثر جاتا رہا ہوں اور مجھے وہاں کے ڈائرکٹر اور دیگر اساتذہ سے تبادلۂ خیالات کا موقع بھی ملتا رہا - وہاں کے اساتذہ کو اردو کی تعلیم و ترقی کے سلسلے میں ہمیشہ سرگرم عمل پایا - ان ملاقاتوں میں اردو کی تعلیم کے مسائل اکثر زیر بحث آئے - میں نے رالف رسل صاحب ، ریڈر شعبۂ اردو سے درخواست کی کہ وہ ان مسائل اور پاکستان کے مطالعے کے شعبے کے بارے میں ایک نوٹ مرتب کردیں - چنانچہ رسل صاحب نے ایک مفصل اور نہایت کارآمد نوٹ تحریر فرما کر مجھے عنایت کیا - ذیل کے مضمون میں میں نے زیادہ تر رسل صاحب کے اسی نوٹ سے استفادہ کیا ہے -

پہلی بات جس پر شعبے کے اساتذہ زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اردو زبان کے طلبہ اردو بولنا اچھی طرح سیکھ جائیں - اردو متن پڑھ کر سمجھ لینا یا کبھی کبھی ایک آدھ مضمون لکھ دینا کافی نہیں - افسوس ہے کہ اردو بول چال کے لیے کوئی ایسا کورس ابھی تک مرتب نہیں کیا گیا جس میں زبان کی تفہیم کے جدید طریقوں کو استعمال کیا گیا ہو - یا اگر ایسا کورس کہیں موجود بھی ہے تو لندن یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کو اس کا علم نہیں - رسل صاحب نے اردو

کی ابتدائی تعلیم کے دو نصاب مرتب کیے ہیں اور انھیں طلبہ پر آزمایا بھی ہے - لیکن ابھی اس پر کام ہو رہا ہے اور اردو کے جملوں کی ٹیپ ریکارڈنگ جو اس کورس کا اہم حصہ ہے ابھی کرنا باقی ہے - لندن میں یہ کام کرنے کے لیے کچھ مشکلات ہیں - کاش یہ کام ہمارے ملک میں ہوتا اور اس کی اشاعت باہر کے ملکوں میں ہوتی - رسل صاحب نے ایک اردو ریڈر بھی مرتب کیا ہے - بعض کا اردو حصہ نوے ہزار الفاظ پر مشتمل ہے - کورس میں مدد دینے کے لیے اردو زبان میں کئی مکالمے ٹیپ ریکارڈ کیے گئے ہیں - ہر مکالمہ ۳۰ منٹ کا ہے - ان تمام کاوشوں کے باوجود رسل صاحب مطمئن نہیں ہیں - ان کی رائے ہے کہ طلبہ خاطر خواہ اردو نہیں بول سکتے - مجھے رسل صاحب کی رائے سے کچھ اختلاف ہے - میں نے آنرز کے ایک طالب علم سے تقریباً ایک گھنٹہ تک اردو میں گفتگو کی اور میں نے اندازہ کیا کہ طالب علم کو اپنا مافی الضمیر سمجھانے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی - محض دو تین سال ایک نئی زبان سیکھنے کے بعد (جس کے سیکھنے کی خاطر خواہ سہولتیں بھی موجود نہ ہوں) اگر بات چیت کرنے کی اتنی استعداد حاصل ہوجائے تو اور کیا چاہیے اور وہ طالب علم بے چارہ تو گھنٹہ بھر تک مجھ سے اردو ہی بولتا رہا - ہم میں سے کتنے تعلیم یافتہ افراد ایسے ہیں جو گھنٹہ بھر تک اردو ہی بولتے ہیں! ہمارا تو ہر دوسرا تیسرا جملہ اردو انگریزی کی کھچڑی ہوتا ہے -

اس کے علاوہ ابتدائی تعلیم میں دیگر مشکلات بھی ہیں - مثلاً اردو انگریزی کا کوئی اچھا لغت موجود نہیں - ۱۸۸۴ع اور اس کے بعد کوئی اردو انگریزی لغت اس پائے کی نہیں لکھی گئی - ایک آدھ معمولی درجے کی قواعد کی کتاب ہے اور بس! علاوہ ازیں کوئی ایسی کتاب نہیں جسے استاد ابتدائی جماعتوں میں استعمال کرسکے -

طیلسانی جماعتوں (بی - اے پاس اور آنرز) کی تعلیم کو لندن یونیورسٹی میں ما بعد طیلسانی (پوسٹ گریجویٹ) تعلیم کے مقابلے میں

زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ کیونکہ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ برطانوی باشندوں کو اردو زبان و ادب سے روشناس کرایا جائے۔ بی۔اے پاس اور آنرز کے کورس کا نصاب اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ ما بعد طیلسانی کام میں زیادہ تر پاکستانی اور ہندوستانی طلبہ دلچسپی لیتے ہیں۔ رسل صاحب کا خیال ہے کہ یہ کام زیادہ تر پاکستان اور ہندوستان میں ہو تو بہتر ہے۔ پاس اور آنرز کورس کے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بر صغیر پاک و ہند کی اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی تاریخ کا مطالعہ کرے تاکہ اس دور کے ثقافتی، سماجی اور معاشی پس منظر پر اس کی اچھی نظر ہو لیکن افسوس ہے کہ اس دور کی تاریخ پر خاطر خواہ کام نہیں ہؤا اور کوئی معتبر تاریخ کسی برطانوی، ہندوستانی یا پاکستانی مورخ نے ایسی نہیں لکھی جو طلبہ کی اس ضرورت کو پورا کر سکے۔

اس مدرسے میں ایم۔اے اور پی۔ایچ ڈی کا کام کرنے کے مواقع بھی موجود ہیں۔ ان جماعتوں میں زیادہ تر پاکستان اور ہندوستان کے طلبہ اور اساتذہ وغیرہ داخلہ لیتے ہیں۔ اکثر طلبہ کو تحقیق سے کوئی خاص دلچسپی یا طبعی مناسبت نہیں ہوتی لیکن محض لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کے لیے درخواست دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ڈگری آسانی سے مل جائے گی۔ لیکن جماعتوں میں داخلے آسانی سے نہیں ملتے۔ بیشتر طالب علموں کی استعداد ایسی نہیں ہوتی کہ وہ اعلیٰ معیار کا تحقیقی کام کر سکیں۔ اس لیے عام طور پر درخواست گزار سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے منتخب موضوع پر ایک مختصر مضمون لکھے جس سے ظاہر ہو کہ اسے اس موضوع سے کیسے دلچسپی پیدا ہوئی وہ اس پر کس نہج سے کام کرے گا۔ نیز موضوع کے بارے میں معلومات میں اضافے کے کیا امکانات ہیں۔ اس کے علاوہ عام طور سے داخلے کی

درخواستوں پر غور کرتے وقت یہ دیکھ لیا جاتا ہے کہ جس موضوع پر کام کرنا مقصود ہے اس کا مواد برطانیہ کے کتب خانوں میں موجود ہے یا نہیں ۔ ترجیح ان درخواست گزاروں کو دی جاتی ہے جن کے موضوع پر کتابیں وغیرہ برطانیہ میں موجود ہیں ۔

مذکورۂ بالا مشکلات کے علاوہ اور بھی کچھ ایسے مسائل ہیں جن سے لندن کے شعبۂ اردو کے اساتذہ دو چار ہیں ۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ اردو کے کلاسیکی ادب کا معتبر متن دستیاب نہیں ۔ پرانے نسخے اغلاط سے پر ہیں اور ستم یہ ہے کہ نئے ایڈیشن جو گزشتہ دس بارہ سال میں طبع ہوئے ہیں ان میں بھی یہی نقص موجود ہے ۔ کاش جتنی کاوش تنقیدیں لکھنے پر کی گئی ہے اس کی نصف محنت ان نسخوں کی صحیح طباعت و اشاعت پر بھی کی گئی ہوتی تاکہ کلاسیکی ادب کی بنیادیں تو مضبوط ہو جاتیں ۔

جیسا کہ میں گزشتہ مضامین میں عرض کر چکا ہوں بیرونی ممالک میں لندن یونیورسٹی وہ ممتاز ادارہ ہے جس نے اُردو کی تعلیم میں غالباً سب سے زیادہ دلچسپی لی ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری یونیورسٹیاں اس مدرسے سے مستقل رابطہ رکھیں اور معلومات کے تبادلے اور کتب و رسائل کی پیشکش سے اُردو کے اساتذہ کی مدد کریں ۔ یہ ادارہ ہماری تہذیب اور ہماری زبان کو دنیا بھر میں متعارف کر رہا ہے ۔ دیگر قوموں نے اپنی تہذیب اور زبان کے تعارف اور ترویج کے لیے ہزاروں پونڈ سالانہ خرچ کر کے باقاعدہ ادارے قائم کیے جن کی شاخیں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ برٹش کونسل ، آلیانس فرانسیز امریکن کلچرل سینٹرز وغیرہ اس کی مثالیں ہیں ۔ کیا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ دنیا میں جو ادارے ہماری تاریخ ، ثقافت اور زبان وغیرہ کی ترویج و ترقی میں دلچسپی لے رہے ہیں ہم خود کو ان کے مسائل سے با خبر رکھیں ؟

ھیل بری کالج میں
مشرقی علوم کی تعلیم

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کا تربیتی ادارہ

اٹھارھویں صدی کے آخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کی حیثیت تجارت پیشہ افراد سے بڑھ کر حاکموں کی ہو گئی تھی ۔ ان ملازمین نے ملک کی غیر یقینی سیاست اور خاندان مغلیہ کی حکومت کے زوال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک کے نظم و نسق میں کافی مؤثر طور پر حصہ لینا شروع کر دیا تھا ۔ اب ملازمین کے دائرۂ اختیار و عمل میں عدالت ، مال ، سیاست اور خزانہ بھی شامل ہوگئے تھے ۔ چنانچہ گورنرجنرل وقت لارڈ ویلزلی نے محسوس کیا کہ ان فرائض کی ادائیگی کے لیے ایک مخصوص تعلیمی اور تہذیبی پس منظر کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ سنہ ۱۸۰۰ع میں لارڈ ویلزلی نے کمپنی کے ڈائرکٹرز کی توجہ اس طرف دلاتے ہوئے لکھا کہ کمپنی کے ملازمین کو ایک ایسے ملک میں انصاف اور انتظام کے فرائض انجام دینا ہیں جس میں کروڑوں انسان آباد ہیں اور جس کے مختلف حصوں کی زبانیں ، طرز رہائش ، مذہب ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں ۔ ان فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک مخصوص تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ لارڈ ویلزلی ڈائرکٹرز کے نام اپنے مراسلے میں لکھتا ہے[1] ۔

---

1. Extracts from the Governor General's Notes for an official despatch to be forwarded to the Court of Directors, with respect to the Foundation of a College at Fort William, July 10, 1800. A. K. Ghosal, Civil Service in India under the East India Company, Calcutta, 1944, p. 39.

''کمپنی کے ملازمین کی تعلیم سائنس اور ادب سے متعلق عام معلومات پر مبنی ہونی چاہیے جو عموماً یورپ میں اس قسم کے عہدوں کے لیے ضروری ہے لیکن اس بنیاد کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ لوگ ہندوستان کی تاریخ، زبانوں، رسم و رواج اور اخلاق و عادات سے واقف ہوں۔ اس کو اس قسم کی عادات اختیار کرنی چاہییں کہ محنت، دور اندیشی، دیانت اور مذہب کی بنیادیں ان کے ذہنوں میں مضبوط ہو جائیں اور وہ ان ترغیبات اور تحریصات کا مقابلہ کرسکیں جو ملک کی آب و ہوا اور ہندوستان کے لوگوں کے فسق وفجور کی وجہ سے تقریباً ہر مقام پر انہیں دعوت دیں گی[1]۔''

۱۔ ان تحریصات میں غالباً لارڈ ویلزلی کمپنی کے ملازمین کی رشوت ستانی کی اس قابل مذمت روایت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کی وجہ سے کمپنی کے اعلیٰ افسر بھی واپس انگلستان جاکر بدنام ہوئے۔ مثلاً سراج الدولہ کے خلاف میر جعفر کی مدد کرنے کے سلسلے میں لارڈ کلائیو نے دو لاکھ چونتیس ہزار پونڈ رشوت لی۔ کمپنی کے دیگر ملازمین نے ایک لاکھ ستر ہزار پونڈ لیے۔ دیکھیے:

A. Mervyn Davies, Clive of plassy (London 1939) p. 234.

اس بد اعمالی کی ذمہ داری ہندوستانیوں کے فسق و فجور پر کسی حد تک ڈالی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر خالی از دلچسپی نہیں کہ ہندوستان میں ملازمت کرنے کے لیے منتخب کیے جانے کے لیے عموماً ایک ''قیمت'' ادا کی جاتی تھی، جو کمپنی کے ڈائرکٹرز وصول کرتے تھے۔ مثلاً انگلستان کے دارالعوام کی تقریروں میں کم از کم دو مثالیں ایسی ملتی ہیں جہاں یہ عہدے ''فروخت'' کیے گئے۔ ان میں سے ایک عہدہ مدراس کے لیے تھا جو تین ہزار پونڈ میں ''فروخت'' ہوا اور دوسرا عہدہ بنگال کے لیے تھا جس کا سودا تین ہزار پانچ سو پونڈ میں طے ہوا۔ دیکھیے۔

"House of Commons, Parliamentary Papers 1809," Report from the Committee appointed to inquire into the existence of any abuses in the disposal of patronage of the East India Company."

چنانچہ کمپنی کے ملازمین کی تعلیم و تربیت کے لیے سنہ ۱۸۰۰ع میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوگیا، جس میں دیگر مضامین کے علاوہ اردو کی تعلیم بھی ہوتی تھی اور تصنیف و تالیف کا بھی انتظام تھا۔ اس کالج کے کارناموں سے اردو زبان کے طالب علم اچھی طرح واقف ہیں، اس لیے ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

۱۸۰۴ع میں کمپنی کے ڈائرکٹروں نے محسوس کیا کہ کمپنی کے ملازمین کی تربیت کے لیے ایک کالج انگلستان میں قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ چارلس گرانڈ نے اس مسئلے کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کی جس میں رائے دی گئی کہ جن انگریزوں کو ہندوستان میں ملازمت کے لیے بھیجا جائے انھیں کلاسیکی یونانی اور رومن، انگریزی اور یورپین ادب اور سائنس، سیاسی معاشیات کے علاوہ مشرقی علوم کی بھی تعلیم دی جانی ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۸۰۵ع میں لندن سے بیس میل دور ہیلی بری کالج کا قیام عمل میں آیا۔

اس کالج میں مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے سب سے پہلے جوناتھن سکاٹ کا تقرر ہؤا۔ لیکن جلد ہی کالج کے ارباب حل و عقد سے اختلاف کی وجہ سے سکاٹ نے استعفاء دے دیا۔ اس کے بعد جان گلکرسٹ نے سکاٹ کی جگہ لی اور اس کے بعد چارلس سٹوارٹ فارسی اور ہندوستانی کے استاد مقرر ہوئے۔ مانیر ولیمز بھی اردو کے استاد تھے۔[1]

یورپین پروفیسروں کے علاوہ پٹنہ کے غلام حیدر فارسی کے اور عبدالعلی ہندوستانی کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے بعد کلکتہ کے مرزا خلیل بھی ہندوستانی کے اساتذہ میں شامل ہوگئے۔ کالج میں ملازمت کرنے کے کچھ ہی عرصے بعد غلام حیدر اور میر عبدالعلی نے

۱۔ پروفیسر ولیمز اردو زبان کی تعلیم پر ایک کتاب کے مصنف ہیں، جس کا ذکر اس باب کے آخری حصے میں آئے گا۔

انگریز عورتوں سے شادیاں کیں اور کالج کے قریب ہی آباد ہوگئے[1]۔ عبدالعلی کی موت نہایت عسرت میں ہوئی۔ انھوں نے ایک بیوہ اور کئی بچے چھوڑے، لیکن بیماری کے دوران علاج اور کفن دفن کے لیے رقم بھی پس انداز نہ کر سکے[2]۔

ہیلی بری کالج میں فارسی اور ہندوستانی کی تعلیم جس انداز سے دی جاتی تھی اس کا ذکر ایچ جی کین (H. G. Keene) نے اس طرح کیا ہے:

''جب طلبہ کالج میں تعلیم شروع کرتے ہیں تو پروفیسر انھیں ہر حرف کی شکل اور مخصوص آواز سمجھاتا ہے۔ خصوصاً اس فرق کی وضاحت کی جاتی ہے جو مشرقی زبانوں اور ان الفاظ کے تلفظ میں ہے جن سے طالب علم پہلے سے مانوس ہے۔ پروفیسر تلفظ کو بار بار دہراتا ہے اور اس مشق میں آہستہ آہستہ طلبہ الفاظ کا تلفظ اس حد تک صحیح اور روانی سے ادا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جس کی ان سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اسی عرصے میں کالج کا منشی (جو بنگال کا رہنے والا ہے) طلبہ کو حروف لکھنا سکھاتا ہے اور ان کا تلفظ درست کرتا ہے۔ جب طلبہ حروف اور قواعد کے عام اصولوں سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں تو وہ آسان عبارتیں پڑھنا اور ان کا ترجمہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پروفیسر ہر لفظ کے تلفظ کو صاف صاف بیان کرتا ہے اور قواعد کی تراکیب سمجھاتا ہے۔

---

1. Bernard S. Cohn, "Recruitment and Training of British Civil Servants in India, 1600-1860 :" in, Ralph Braibanti, Asian Bureacratic Systems Emergment from the British Imperial Tradition, (Durham U. S. A. 1966) p. 121.
2. Commonwealth Relations Office, Committee on College Refernces, Vol.25, 1812, Henley to Committee, October 14, 1812, "Petition of Moonshee Ghoolam Hyder" Sept. 4. 1812 ; Dr. Samuel Jones to Committee, November 24, 1812. "Petition of Elizabeth Moolvey."

ان سے انگریزی سے ترجمہ بھی کرایا جاتا ہے جو وہ زبان
کے مخصوص رسم الخط میں لکھ کر پروفیسر کو دکھاتے
ہیں اور اس طرح ان کی تحریروں میں قواعد اور املا کی
غلطیوں کی تصحیح کی جاتی ہے''۔

ہر طالب علم کے لیے تین یا چار مشرقی زبانیں سیکھنا ضروری تھیں۔
سنسکرت اور فارسی ہر طالب علم کے لیے ضروری تھی۔ اس کے علاوہ
جس پریزیڈنسی میں طالب علم کا تقرر کیا جانا مقصود ہوتا تھا اس کی
زبان بھی سیکھنا ضروری تھی۔ بعض طلبہ عربی بھی پڑھتے تھے۔

اگر کسی طالب‌علم کا تقرر بنگال میں کیا جاتا تھا تو اسے ہندی اور
بنگالی سکھائی جاتی تھی۔ ہفتے میں دو گھنٹے سنسکرت اور دو گھنٹے
بنگالی یا ہندوستانی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدا میں سنسکرت کی تعلیم
پر بہت زور دیا گیا لیکن بعد میں یہ محسوس کیا گیا کہ ہندوستان میں
سرکاری کام کے لیے یہ زبان سیکھنے کی زیادہ ضرورت نہیں چنانچہ سرجارج
کیمبل جو سنسکرت کو ہیل بری کالج کا اہم ترین مضمون سمجھتے تھے،
آخر میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوگئے اور انھوں نے لکھا ہے کہ :

> ''ہندوستان میں ایک مجسٹریٹ کے لیے سنسکرت کی اتنی
> ہی اہمیت ہے جتنی انگلستان میں ایک کمشنر پولیس کے لیے
> قدیم جرمن زبان کی[3]۔''

ہیل بری کالج انگلستان میں اردو کی تعلیم کے اولین اداروں میں
شمار کیا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں ایسٹ انڈیا کمپنی

---

1. East India Company Proprietors, General Court Papers Respecting the System of Education in the Oriental Languages adapted at the East India Company's College and Seminary in England (London ; printed by order of the General Court of Proprietor's December 19, 1821)

H. G. Keene to Wilkins, December 10, 1821, p. 10.

George Campbell, Modern India (London 1852) page 265, 27, Bernard S. Cohn.

کے تقریباً تمام بڑے عہدہ داروں نے اس کالج میں تربیت حاصل کی ۔ اس کالج کی زندگی اور تعلیم و تربیت کے بارے میں کافی مواد موجود ہے ، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ۔[1] برصغیر ہند و پاکستان میں کمپنی کے اقتدار کے عروج کے ساتھ انگریز افسروں کے انتخاب اور تربیت کے طریقے بھی بدلتے گئے ۔ سنہ ۱۸۵۳ع سے انڈیا ایکٹ کے مطابق انڈین سول سروس کے لیے انتخاب کا قاعدہ رائج ہوا ۔ ۱۸۵۷ع میں ہندوستان میں جنگ آزادی ہوئی اور اسی سال دسمبر میں یہ کالج بھی بند کر دیا گیا ۔

---

۱ ۔ اس کے بارے میں کسی قدر مفصل کتابیہ دیکھیے Bernard S. Cohn کا مضمون جس کا حوالہ مضمون ہذا کے صفحہ ۴۴ کے فٹ نوٹ نمبر ۱ میں دیا گیا ہے ۔

انجیل مقدس کے اردو تراجم[1]

اہل یورپ کا اردو سے جو تعلق رہا ہے اس میں مسیحیت کی تبلیغ کا بہت دخل رہا ہے۔ یہ مقصد مسیحی ملکوں کے نزدیک مستحسن تھا اور غیر مسیحی ہندوستان کے لیے مذموم لیکن اس کا ایک فائدہ ضرور ہؤا کہ اس ضمن میں انجیل مقدس کے ترجمے سے ایک ایسی کتاب اردو زبان میں منتقل ہوگئی جسے مسلمان الہامی اور متبرک مانتے ہیں اور جسے دنیا کی ہر قوم اور مذہب کے لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

انجیل مقدس کا سب سے پہلا ترجمہ ڈنمارک کے ایک مشنری شلٹز (Schultze) کا ہے جو اس نے جنوبی ہندوستان کے اردو بولنے والے لوگوں کے لیے ۱۷۴۱ء میں کیا۔

شلٹز نے عہد نامہ جدید کے علاوہ عہد نامہ عتیق کے کچھ حصے مثلاً "پیدائش" "گیت" اور "دانیال" وغیرہ کا ترجمہ بھی کیا۔ اس کے بعد ولیم ہنٹر کا نام آتا ہے جنھوں نے مرزا محمد فطرت کے عہد نامہ جدید کے اردو ترجمے کا اصل یونانی زبان سے مقابلہ کیا اور متن پر نظرثانی کی۔ یہ ترجمہ ۱۸۰۴ء میں کلکتہ سے شائع ہؤا[2]۔

عہد نامہ جدید کا سب سے اہم ترجمہ ہنری مارٹن (Henry Martyn) کا ہے جو ۱۸۱۴ء میں شائع ہؤا اور اس کے بعد اس کے نسخے لاکھوں کی تعداد میں فروخت اور تقسیم ہوئے۔ ہنری مارٹن نے ہندوستان آنے سے

۱۔ عہد نامہ جدید کے اردو تراجم کی مختصر تاریخ کے لیے دیکھیے:
H. U. Weibrecht "The Urdu New Testament," London, The British and Foreign Bible Society 1900.
National Biography London

۲۔ دیکھیے National Biography, London

قبل کچھ عرصہ مسٹر گلکرسٹ سے اردو پڑھی تھی ۔ اس نے اردو کا مطالعہ سفر کے دوران بھی جاری رکھا ۔ جب وہ ۱۸۰۶ع میں ہندوستان پہنچا تو اس نے ایک منشی سے اردو کی تعلیم حاصل کی ۔ کچھ عرصہ بعد مرزا محمد فطرت اردو زبان کے مددگار کی حیثیت سے مارٹن کے شریک کار ہوگئے ۔ مارٹن نے مرزا فطرت کی مدد سے عہد نامہ جدید کا نہایت سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا ۔ یہ ترجمہ ۱۸۱۰ع میں مکمل ہوا ۔ اس کے بعد مارٹن عہد نامہ جدید کا فارسی ترجمہ کرنے کے لیے ایران چلا گیا اور ۱۸۱۲ع میں فارسی ترجمہ مکمل کر کے وفات پائی ۔ اردو ترجمہ اس کی وفات کے دو سال بعد ۱۸۱۴ع میں شائع ہوا ۔ مارٹن نے اردو زبان سیکھنے میں کس قدر کاوش کی ہوگی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ۱۸۰۵ع میں یہ زبان سیکھنی شروع کی اور پانچ چھ سال کے عرصے میں اس نے نہ صرف اردو زبان پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ عہد نامہ جدید کا ترجمہ کر دیا بلکہ فارسی بھی اتنی سیکھ لی کہ ایران جا کر فارسی ترجمہ بھی مکمل کر لیا ۔

اس کے بعد عہد نامہ جدید کا وہ ترجمہ ہے جو ۱۸۴۲ع میں بنارس میں آٹھ مشنریوں کی ایک کمیٹی نے کیا ۔ یہ ترجمہ پانچ سال میں مکمل ہوا ۔

عہد نامہ عتیق کا ترجمہ سب سے پہلی بار ۱۸۴۴ع میں شائع ہوا ۔ یہ ترجمہ ہنری مارٹن کے مسودے پر مبنی تھا جس پر طامسن، شومن، کینیڈی، ولسن اور ہوکنز نے نظر ثانی کی تھی ۔ اسی کے ساتھ مذکورہ بالا بنارس کے ۱۸۴۲ع کے ترجمے پر پھر نظر ثانی کی گئی ۔ ۱۸۷۰ع میں ڈاکٹر ماتھر (R. C. Mather) کا ترجمہ شائع ہوا ۔ انجیل کے ترجموں میں مارٹن کے بعد ڈاکٹر ماتھر کا ترجمہ سب سے زیادہ اہم ہے ۔ ڈاکٹر ماتھر نے یہ ترجمہ رومن اور عربی رسم الخط میں شائع کیا اور بہت مقبول ہوا ۔

انجیل مقدس کے ترجمے پر ۱۸۹۳ع اور ۱۸۹۹ع کے درمیان پھر نظر ثانی کی گئی۔ یہ کام پرکنز (H. E. Perkins) کی نگرانی میں شروع ہؤا جو اس وقت پنجاب آگزلیری بائبل سوسائٹی (Punjab Auxiliary Bible Society) کا صدر تھا۔ پرکنز ۱۸۹۴ع میں ہندوستان سے واپس چلا گیا اور اس کے بعد یہ کام وائٹ بریخٹ (H. U. Weitbrecht) اور دیگر مشنریوں کی نگرانی میں ہؤا۔ یہ ترجمہ ۱۸۹۹ع مکمل ہؤا۔ لسانی اعتبار سے اس ترجمے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس ترجمے میں انجیل مقدس میں استعمال کیے ہوئے یونانی اور انگریزی ناموں کی بجائے وہ نام استعمال کیے گئے ہیں جو قرآن کریم اور دیگر مشرقی زبانوں میں مستعمل ہیں مثلاً ایو کی بجائے حوا، ایبل کی بجائے ہابیل، کین کی بجائے قابیل، فیرو کی بجائے فرعون، گوگ مگوگ کی بجائے یاجوج ماجوج وغیرہ۔

۲۔ لکھنؤ اور اردو کے دیگر اہم مراکز کے مقابلے میں دلی کی زبان کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

۳۔ کئی الفاظ بدل دیے گئے۔ مثلاً ''اس پاس''، ''تجھ پاس''، ''کبھو''، ''کسو'' وغیرہ اس ترجمے میں نہیں ملتے۔ ''آگے'' کی جگہ ''پہلے'' (وقت کے ضمن میں)، ''بولنا'' کی بجائے ''کہنا''، ''کو کہا'' کی بجائے ''سے کہا''۔ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۴۔ ترجمے میں الفاظ کی بجائے معانی کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ مثلاً Out of the overflow of the heart the mouths Speaketh سہل ترجمہ یوں کیا۔ ''جو دل میں بھرا ہؤا ہے وہ منہ پر آتا ہے''۔

۵۔ عبرانی کے بعض الفاظ عربی میں موجود ہیں اور اردو میں مستعمل ہیں انھیں آزادی سے استعمال کیا گیا مثلاً کفارہ، ہیکل، برکت وغیرہ۔

۶۔ ''خدا'' کے علاوہ بعض مقامات پر ''اللہ'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا۔

کرنل سر ہنری یول
اور
اس کی اُردو فرہنگ ہابسن جابسن
(Hobson-Jobson)[1]

اردو زبان کی سب سے پہلی لغت ایک فرانسیسی مشنری فرانسسکو ماریا دوتور نے سترھویں صدی میں لکھی۔ اس کے بعد اُردو زبان کی کئی لغات لکھی گئیں لیکن کرنل سر ہنری یول کی ''ہابسن جابسن'' اشتقاق کے نقطۂ نظر سے غالباً اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ الفاظ کے ماخذ اور معانی کے ارتقا پر جس انداز سے اس کتاب میں مواد جمع کیا گیا ہے اس کی مثال اُردو زبان میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس فرہنگ[2] میں اُردو (یا ہندی) وغیرہ کے وہ الفاظ شامل ہیں جو انگریزوں اور دوسری مغربی قوموں کے ہندوستان کے ساتھ تجارتی اور سیاسی روابط کی وجہ سے بعض مغربی زبانوں میں داخل ہوگئے ہیں یا مغربی زبانوں سے اردو (یا ہندی) زبانوں میں آگئے ہیں۔ ۸۷۰ صفحات کی اس فرہنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنفین نے نہ صرف ان الفاظ کے اشتقاق پر اظہار رائے کیا ہے بلکہ سند کے طور پر مغربی اور مشرقی زبانوں کی تحریروں کے حوالے دیے

---

1. Col. Sir Henry Yule ; R.E., C.B., LL.D : Hobson Jobsen being a Glossary of Anglo-Indian Colloqaial words and phrases, and of Kindered terms; Etymological Historical, Geographical, and Discursive, London : John Murry, Albemarle Street, 1886

۲- اس کی ببلیوک ناسیونال کراچی سے ۱۹۶۷ ع میں شائع ہوئی ہے۔

ہیں ، اور ان کے ساتھ جو تاریخیں دی گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے لیے مصنفین نے متعدد زبانوں مثلاً انگریزی ، فرانسیسی ، پرتگیزی ، ولندیزی ، یونانی ، عربی ، فارسی ، سنسکرت وغیرہ کی کوئی دو ہزار سال کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے ۔ تعجب ہے کہ اس اہم تحقیقی کارنامے پر ابھی تک پاک و ہند کے دانشوروں نے خاطرخواہ توجہ نہیں دی ۔ اس کتاب میں الفاظ کے اشتقاق کے بارے میں جو نظریے بیان کیے گئے ہیں اگر متخصصین ان سے استفادہ یا ان پر تنقید فرمائیں تو زبان کی اہم خدمت ہوگی ۔ اس مضمون میں اس کتاب اور اس کے مصنف کا مختصر تعارف کرایا جائے گا ۔

یول کے حالات زندگی

یہ کتاب دو مؤلفین کی کاوش کا نتیجہ ہے ، کرنل سرہنری یول اور آرتھر کوک برنل (Arthur Coke Burnell) ۔ الفاظ پر بیشتر تحقیق یول ہی کی ہے اور کتاب کا دیباچہ اور مقدمہ بھی اس نے ہی لکھا ہے ۔ ہنری یول ۱۸۲۰ع میں ایڈنبرا (برطانیہ) کے قریب بمقام انورسیک (Inversek) پیدا ہوا ۔ اس کے والد میجر ولیم یول (پیدائش ۱۷۶۳ع ، وفات ۱۸۳۹ع) ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے اور مشرقی زبانوں پر اچھی نظر رکھتے تھے اور وہ جب ۱۸۰۹ع میں ریٹائر ہو کر وطن واپس گئے تو کئی عربی اور فارسی مخطوطات اپنے ساتھ لے گئے جو اب برٹش میوزیم میں ہیں ۔ انھوں نے ۱۸۳۲ع میں کتاب "Apophthegms of 'Ali' the son of Abu Talib"[2] شائع

---

۱ - کرنل سر ہنری یول کے حالات زندگی میں نے Dictionary of National Biography Edited by Sidney Lee. London, Smith Elder & Co. 1909 سے لیے ہیں ۔

۲ - Apophthegm کے معنی "بلیغ" کے ہیں ۔ غالباً حضرت علیؓ کی مشہور کتاب "نہج البلاغہ" ہے ۔

کی جس میں عربی متن ، اس کا قدیم فارسی ترجمہ اور خود میجر یول کا کیا ہؤا انگریزی ترجمہ شامل ہے ۔

'ہابسن جابسن' کے مولف ہنری یول نے ابتدائی تعلیم ایڈنبرا میں اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج میں حاصل کی ۔ ریاضی اور انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرکے ہنری یول ۱۸۴۰ع میں بنگال کی انجینئرنگ سروس میں شامل ہوگیا ۔ تین سال ملازمت کرنے کے بعد یول مختصر قیام کے لیے انگلستان واپس گیا اور وہاں شادی کرکے واپس ہندوستان آ گیا جہاں اس نے ۱۸۴۹ع تک شمال مغربی سرحدی صوبے کے محکمہ نہر میں انجینئرنگ کی بیش بہا خدمت انجام دیں ۔ اس دوران میں اس نے سکھوں کی لڑائیوں میں حصہ لیا ۔ ۱۸۴۹ع سے ۱۸۵۱ع تک یول رخصت پر انگلستان میں رہا اور اس دو سال میں اس نے سکاٹ لینڈ کی ملٹری اکیڈمی میں لیکچر دیے اور انجینئرنگ اور معاشرتی موضوعات پر کتابیں اور مقالے لکھے ۔ اس کے بعد وہ پھر ہندوستان آ گیا اور ۱۸۵۵ع میں گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے محکمہ تعمیرات میں انڈر سیکرٹری کے عہدے پر اس کا تقرر کر دیا ۔ کچھ عرصے کے لیے یول ایک سفارتی عہدے پر برما گیا اور وہاں سے آ کر اس نے برما کے بارے میں ایک مقالہ لکھا جو بہت مقبول ہؤا ۔ ۱۸۶۲ع میں یول ملازمت سے ریٹائر ہوگیا ۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں (اور غالباً ہم مشرقیوں کے لیے ایک اچھی مثال ہے) کہ یول کی سب سے زیادہ پہلو دار اور علمی زندگی کا آغاز اس کے سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد ہوتا ہے ۔ ۱۸۶۳ع میں یول نے سسلی کے دارالخلافے پالرمو میں سکونت اختیار کی جہاں اس نے قدیم اطالوی مشنریوں اور سیاحوں کے سفر ناموں اور تاریخوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا ۔ اسی سال اس نے ''مشرق کے عجائبات'' نامی ایک کتاب شائع کی ۔ ۱۸۶۶ع میں یول نے قدیم سیاحوں کے سفرناموں ،

خطوط اور یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی جس میں ایشیا کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ پیش کیا اور زمانۂ قدیم میں چین اور مغربی ممالک کے روابط پر بھی روشنی ڈالی۔ اسی سال اس کی فرہنگ 'ہابسن جابسن' شائع ہوئی جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۳ع میں شائع ہؤا اور تیسرا ایڈیشن حال ہی میں شائع ہؤا ہے۔ ۱۸۷۱ع میں یول نے مارکوپولو کا مشہور ایڈیشن شائع کیا جس پر اسے اٹلی کی جیاگرافیکل سوسائٹی کا نقرئی تمغہ ملا اور اس کے بعد رائل جیاگرافیکل سوسائٹی کا تمغۂ تاسیس پیش کیا گیا۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن انگلستان اور فرانس میں شائع ہوچکے ہیں۔

۱۸۷۵ع میں یول واپس انگلستان آ گیا اور انڈین کونسل کا رکن مقرر ہؤا اور آخر دم تک اس حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ۱۸۸۷ع میں اس نے Diary of Sir William Hedges شائع کی جس میں قدیم اور جدید ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض دلچسپ کوائف شامل ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور انگلستان کے متعدد علمی جرائد میں جغرافیہ اور سوانح کے موضوعات پر اس کے تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ ۱۸۸۰ع میں اس نے مشرقی تبت اور برما کے دریاؤں کے بارے میں ایک نہایت دلچسپ مضمون شائع کیا۔ ۱۸۸۹ع میں یول کو 'سر' کا خطاب اور ستارۂ ہند کا اعزاز ملا اور اسی سال اس کا انتقال ہوگیا۔

کتاب کا مختصر جائزہ :

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، یہ فرہنگ اُن الفاظ اور محاورات وغیرہ پر مشتمل ہے جو ہندوستان میں انگریزوں کی بول چال میں شامل ہوچکے تھے لیکن مصنفین نے محض ان الفاظ اور محاورات کے مطالب اور محل استعمال ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا (جیسے اس قسم کے اکثر لغات اور فرہنگوں میں کیا گیا ہے) بلکہ بیشتر الفاظ پر اشتقاق تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے نقطۂ نظر سے مدلل بحثیں کی گئی ہیں۔

سرورق کے بعد دوسرے صفحے پر مصنف نے اس کتاب کو نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے مرحوم بھائی کے نام معنون کیا ہے ۔ اس کے بعد چار صفحوں کا دیباچہ ہے ۔ اس دیباچے میں یول نے بتایا ہے کہ اس کتاب کی بنیاد وہ خط کتابت تھی جو پالرمو (سسلی) کے دوران قیام میں یول اور اس کے ایک مرحوم دوست آرتھر برنل کے درمیان ہوئی ۔ برنل اس زمانے میں مدراس کی سول سروس میں عدلیہ کے عہدوں پر فائز تھا۔ یول سے برنل کی ملاقات ۱۸۷۲ع میں انڈیا آفس لائبریری میں ہوئی تھی ۔ برنل نے بتایا تھا کہ وہ 'اینگلو انڈین' الفاظ کی ایک فرہنگ تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ یول نے اسے مطلع کیا کہ وہ بھی اسی قسم کی فرہنگ تیار کر رہا ہے۔ اس کے بعد ان دونوں میں خط کتابت شروع ہوئی جو ۱۸۸۲ع میں برنل کی وفات تک جاری رہی ۔ اس عرصے میں دونوں دوستوں نے الفاظ کے بارے میں معلومات فراہم کیے ۔ معانی و اشتقاق کے بارے میں خیالات کا تبادلہ کیا ۔ برنل کے انتقال کے بعد اس فرہنگ کی تدوین کا سلسلہ یول نے تنہا جاری رکھا ۔ یول نے لکھا ہے کہ گو اس پوری کتاب کا بیشتر حصہ صرف یول ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے لیکن برنل نے جو مواد بھی فراہم کیا وہ نہایت بیش قیمت تھا اور غالباً یول کی دسترس سے باہر تھا ۔

کتاب کے عنوان 'ہابسن جابسن' کے بارے میں یول وضاحت کرتا ہے کہ 'ہابسن جابسن'' کے الفاظ ہندوستان میں انگریزوں کی زبان میں داخل ہو چکے تھے ، گو اب وہ اتنے عام نہیں ہیں ۔ ان الفاظ کو یول کتاب کے عنوان کے لیے بہت موزوں سمجھتا ہے ۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان دو ناموں (حسنؑ حسینؑ) میں کتاب کے دو مصنفوں (یول اور برنل) کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اس کتاب کا

---

۱ - 'یاحسنؑ یا حسینؑ' ۔ ان الفاظ کی مزید وضاحت فرہنگ کے متن میں ہے ۔

اس کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا'۔

اس کے بعد فہرست مضامین ہے اور پھر مقدمہ شروع ہوتا ہے جو دس صفحوں میں ہے۔ اس میں یول پہلے ہندوستانی الاصل الفاظ کے انگریزی زبان میں داخل ہو جانے کی مختصر تاریخ بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ملکہ' الزبتھ اول اور شاہ جیمز کے زمانے سے یہ الفاظ نگریزی زبان میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ انگریزی زبان میں ہندوستانی الفاظ کی آورد کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد یول نے اُن الفاظ کی مثالیں دی ہیں جو مختلف مدارج میں انگریزی زبان میں داخل ہوتے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ انگریزی زبان میں بعض الفاظ ایسے آگئے ہیں جن کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی اصل ہندوستانی ہے۔ مثلاً انگریز یہ جملہ اکثر بولتے ہیں "I don't care a dam" - اس جملے میں dam دراصل اکبر کے زمانے کا سکہ 'دام' ہے۔ یول فرہنگ میں 'آئین اکبری' کے حوالے سے

۱۔ اس کتاب کا نام 'ہابسن جابسن' (یا حسنؑ یا حسینؑ) رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یول کو حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے ارادی یا غیر ارادی طور پر عقیدت ہوگئی ہو۔ اس مفروضے کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ جیسا کہ مضمون کی ابتدا میں بیان کیا گیا ہے، ہنری یول کے والد میجر ولیم یول عربی اور فارسی کے عالم تھے اور انھوں نے حضرت علیؑ کی 'نہج البلاغت' کا انگریزی ترجمہ کرکے ذاتی طور پر شائع کیا تھا۔ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ والد کے خیالات اور عقائد کا اثر پڑنے کے نتیجے میں یول کو والد کے ممدوح (حضرت علی ابن ابی طالب) کے دو بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ سے بھی عقیدت ہو گئی ہو جس میں عمر کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا اور یہ عقیدت آخر عمر میں اس کی اہم تصنیف کا عنوان بن گئی۔ یول اعتراف کرتا ہے کہ اس کتاب کا تصور اور تصنیف اس کی زندگی کے بڑے حصے کی خوشیوں اور غموں میں جاری و ساری رہی۔

لکھتا ہے کہ 'دام' ایک تولہ، ۸ ماشہ، ۷ سرخ وزن کا تھا اور ایک روپے کا چالیسواں حصہ شمار کیا جاتا تھا۔

یول لکھتا ہے کہ فرہنگ میں انتظامیہ سے متعلق اچھی تعداد میں الفاظ موجود ہیں۔ ایسے ہی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کا تعلق نباتات اور حیوانات سے ہے اور یہ الفاظ ہندوستان سے مغربی زبانوں میں آگئے ہیں۔ یول نے اُن مغربی ماہرین کا ذکر کیا ہے جنھوں نے ان ہندوستانی الفاظ کو سائنسی کتابوں میں استعمال کیا ہے۔ یول نے ایسے الفاظ کی مثالیں بھی دی ہیں جو ہندوستان سے یونان اور روما اور ان تہذیبوں سے متاثر علاقوں میں مروج ہو گئے اور اس طرح ہندوستان کے تہذیبی اثرات یورپ میں دور تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

عرب فاتحین اور تجار بہت سے الفاظ باہر سے ہندوستان میں لائے لیکن اسی کے ساتھ بہت سے ہندوستانی الفاظ ایسے ہیں جو عربوں کی وجہ سے ہندوستان سے مغربی ممالک میں متعارف ہوئے اور جو عربوں کے بعد کے مغربی فاتحین کو تہذیبی ورثے کے طور پر ملے۔ ایسے الفاظ جو بحیرۂ روم کے ساحلی علاقوں اور متصل ممالک میں مروج ہیں مثلاً: 'بازار'، 'قاضی' 'حال'، 'دیوان'[1] وغیرہ۔

سولھویں صدی میں جب پرتگیز ہندوستان کے جنوبی ساحل کے مختلف حصوں پر قابض ہوئے تو ان کی نو آبادیوں کے نتیجے میں ایک ایسی زبان پیدا ہوئی جس میں پرتگیزی اور جنوبی ہند کی زبانوں کی آمیزش تھی۔ یہ زبان عرصے تک ان علاقوں میں آسانی سے سمجھی جاتی تھی اور دیگر مغربی فاتحین نے بھی اس زبان کو جنوبی ہندوستان میں استعمال کیا۔ اس زبان کے پیدا ہونے سے بھی کئی الفاظ ہندوستان سے

۱۔ فرانس اور بعض دیگر ممالک میں بندرگاہ اور سرحد وغیرہ پر محصول کے افسران (Custom officers) کو 'douane' کہتے ہیں۔ اس لفظ سے غالباً ہر وہ شخص واقف ہوگا جس نے یورپ کا سفر کیا ہے۔ یول نے فرہنگ میں مثالوں سے دکھایا ہے کہ یہ لفظ دراصل 'دیوان' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

مغرب کو برآمد ہوئے۔ یول نے ان الفاظ کی جو مثالیں دی ہیں، ان میں Palanquin, curry, mango, typhon, monsoon, شامل ہیں۔ یول نے فرہنگ میں ان الفاظ کو ہندوستانی (فارسی، عربی، جنوبی ہند کی زبانیں وغیرہ) سے مشتق ثابت کیا ہے۔ اسی طرح یول نے ان الفاظ کی مثالیں بھی دی ہیں جو پرتگیزی زبان سے اردو ہندوستانی میں آئے مثلاً بالٹی، تولیہ، صابن، نیلام وغیرہ۔

آگے چل کو یول نے مثالیں دے کر یہ وضاحت کی ہے کہ بعض اوقات الفاظ کے اصل مآخذ کچھ اور ہوتے ہیں لیکن مرور ایام اور مختلف انداز سے استعمال ہونے کے بعد ان کی شکل یا ان کا مفہوم اس قدر بدل جاتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی ابتدا کہاں سے ہوئی تھی۔

مقدمے کے بعد کتاب میں بائیس فرہنگوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن میں عام لغات بھی شامل ہیں اور خصوصی استعمال اور فنی اصطلاحات کی فرہنگیں بھی۔ ان میں سے بعض فرہنگیں علحٰدہ نہیں بلکہ دوسری کتابوں (سفرناموں وغیرہ) کے ساتھ ضمیمے کے طور پر شامل کر دی گئی ہیں۔ فرہنگوں کی یہ فہرست بہت کار آمد ہے اور جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انتظامیہ وغیرہ کی اصطلاحات کے لیے اردو میں الفاظ کا ذخیرہ نہیں، وہ یہ فرہنگیں ملاحظہ فرمائیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ ۱۸۸۶ع سے قبل اردو زبان میں قانون، مال اور انتظامیہ کے ہر شعبے کے لیے اصطلاحات موجود اور مروج تھیں۔ اس فہرست میں انگریزی کے علاوہ پرتگیزی اور فرانسیسی زبانوں کی کتابیں بھی شامل ہیں جن کے ساتھ اردو الفاظ کی فرہنگیں ضمیمے کے طور پر شامل ہیں۔

فرہنگوں کی فہرست کے بعد ہند، پرتگیزی زبان کے بارے میں ایک نوٹ ہے جس میں اس کے قواعد اور صوتیات کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اُن کتابوں کی فہرست ہے جن کے حوالے فرہنگ کے متن میں دیے گئے ہیں ۔ ان کتابوں کی تعداد سات سو دس (۷۱۰) ہے۔ ان میں انگریزی ، فارسی ، عربی ، سنسکرت ، فرانسیسی ، جرمن ، پرتگیزی ، ولندیزی اور متعدد دیگر زبانوں کی کتابیں اور رسائل شامل ہیں ۔ اس فہرست کو دیکھ کر دو وجوہ سے خاص طور پر حیرت ہوتی ہے؛ ایک تو یہ کہ ہندوستان اور اس کی زبان کے بارے میں دنیا کی اتنی زبانوں میں مواد موجود ہے ، اور دوسرے یہ کہ اس ایک کتاب کی تیاری میں مصنف نے سات سو سے زیادہ کتب کا مطالعہ کیا تھا ۔ مطالعے اور تحقیق کی وہ روایت جو کبھی مسلمانوں میں تھی ، افسوس کہ اب مغربی اقوام میں منتقل ہوگئی ہے ۔

اس فہرست کے بعد ایک غلط نامہ ہے اور اس کے بعد اصل فرہنگ کا متن شروع ہوتا ہے ۔ ہر لفظ کے جدید معنی (کتاب ۱۸۸۶ع میں شائع ہوئی) ، اس کا اشتقاق اور معانی کا ارتقا بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد حوالوں اور سند کے طور پر اُن کتابوں اور تحریروں میں سے اقتباسات دیے گئے ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہؤا ہے اور ہر اقتباس کے ساتھ کتاب کا نام اور اس کا سال اشاعت درج ہے ۔ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

پشاور (Peshawur)[1] شہر کا محل وقوع بیان کرنے کے بعد یول لکھتا ہے کہ اس شہر کا اصل نام بہت قدیم ہے ۔ سر جارج کننگم (کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے) نے لکھا ہے کہ اکبر نے اس شہر کا نام سرحدی شہر ہونے کی وجہ سے 'پشاور' رکھا تھا ۔ یول کہتا ہے کہ کننگم کا خیال درست نہیں ؛ اکبر کے زمانے میں پشاور صوبہ' کابل میں ایک درمیانی شہر تھا ۔ 'صوبہ' کابل' میں کشمیر اور مغرب کا سب علاقہ شامل تھا اس لیے اکبر کے زمانے میں پشاور سرحدی شہر نہیں

---

۱ ۔ میں نے transliteration میں وہی رومن املا استعمال کی ہے جو فرہنگ کے متن میں موجود ہے ۔

ہوسکتا تھا ۔ اس شہر کا ذکر سب سے پہلے فاہیان کے ہاں ملتا ہے جس نے اسے 'فلاشا' (Fo-lau-sha) لکھا ہے ۔ فاہیان سے اقتباس حسب ذیل ہے :

۴۰۰ء : گندھارا سے جنوب کی طرف چار روز کا سفر کرنے کے بعد 'فلاشا' کا علاقہ آتا ہے ۔ قدیم زمانے میں بدھ اپنے چیلوں کے ساتھ اس علاقے سے گزرا تھا ۔ (فاہیان)

اس کے بعد حسب ذیل مصنفین سے اقتباسات دیے گئے ہیں :

۶۳۰ء : ہیون سانگ ، اس نے شہر کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے اس کا نام 'Pu-lu-sha-pulo' یا ('پرش پور') لکھا ہے ۔

۱۰۰۱ء : الاطبی ۔ محمود غزنوی کی آمد کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے خیمے 'Purshaur' کے باہر نصب کیے ۔

۱۰۲۰ء : البیرونی ۔ 'Parshawar' کا ذکر ہے ۔

۱۲۲۰ء : یاقوت ۔ 'Farshabur' لکھا ہے ۔

۱۵۱۹ء : بابر ۔ 'Pershawar' کے قلعے کا حوالہ دیا گیا ہے ۔

۱۵۱۵ء : سدی علی ۔ 'Purrhawar' میں آنے کا ذکر ہے ۔

۱۵۹۰ء : آئین اکبری ۔ 'Parshawar' کے چشمے کا ذکر ہے ۔

۱۷۸۳ء : جی ۔ فاسٹر ۔ 'Peshour' میں سخت گرمی کا حال بیان کیا ہے ۔

۱۸۶۳ء : کننگم ۔ اکبر کے قدیم نام 'Parashawar' کو تبدیل کرکے 'Peshawar' نام رکھ دیا ۔ اس کے معنی سرحدی شہر کے ہیں ۔[۱]

اس کے بعد اُن الفاظ کی فہرست ہے جو فرہنگ کے متن میں شامل نہ ہوسکے اور انھیں ضمیمے میں شامل کر دیا گیا ہے ۔

---

۱ ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ، یول نے کننگم کے اس بیان سے اختلاف کیا ہے ۔

Grab : یہ لفظ انگریزی زبان میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی کسی چیز پر اچانک قبضہ کر لینے کے ہیں[1]۔ اس لفظ کے اشتقاق پر روشنی ڈالتے ہوئے یول لکھتا ہے کہ یہ عربی لفظ 'غراب' سے مشتق ہے۔ عربی زبان میں 'غراب' ایک کشتی کو کہتے ہیں[2] جسے چلانے کا کام غلاموں یا مجرموں سے لیا جاتا تھا۔ اس قسم کی کشتیاں جنھیں Galley کہتے ہیں، قدیم زمانے میں رومن اور یونانی حکمران بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔ یہ لفظ پرتگیزوں کے آنے کی وجہ سے بعض مغربی زبانوں میں داخل ہوگیا اور ہندوستان میں مرہٹی اور کوکنی زبانوں میں آ گیا۔ لیکن انگریزی زبان میں اس کا مفہوم تشبیہی صورت اختیار کر گیا۔ لیکن مرہٹی اور کوکنی زبان میں 'گراب' اب بھی کشتی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فرہنگ میں جو اقتباسات دیے گئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۱۸۱ع : پیزا کے آرکبشپ کے خطوط خلیفہ ابو یعقوب یوسف کے نام۔ ایک خط میں شکایت کی گئی ہے کہ اٹلی کا ایک تجارتی جہاز طرابلس کی طرف جا رہا تھا کہ وہ ہواؤں کی تیزی سے مجبور ہو کر ساحل پر آ گیا۔ ایک 'غراب' جو طرابلس سے آ رہا تھا، وہاں رکا اور اس کے آدمیوں نے ہمارے جہاز کا سامان لوٹ لیا۔

۱۲۰۰ع : ایک عربی فرہنگ کا ذکر ہے جو فلارنس میں شائع ہوئی۔ اس میں 'Galley' کے لیے عربی لفظ 'غراب' بیان کیا گیا ہے۔

۱۳۴۳ع : ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ایک کشتی کی شکل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ''غراب'' سے ملتی تھی۔

۱۔ آکسفرڈ انگلش ڈکشنری۔

۲۔ 'منجد' میں 'غراب' ایک قدیم کشتی کے معنوں میں مرقوم ہے۔

۱۵۵۴ع : سدی علی نے 'غراب' کا ذکر کیا ہے ۔

۱۶۶۰ع : محمد معصوم نے جانی بیگ کے حملے کے سلسے میں 'غراب' کا ذکر کیا ہے ۔ یول نے یہ حوالہ ایلیٹ کی تاریخ سے لیا ہے۔

۱۶۹۰ع : تامس ہائیڈ کے مقالات میں 'غراب' کا ذکر ہے ۔

۱۶۷۳ع : جان فرائر نے ہندوستان اور ایران کے سفر (۱۶۷۲، اختتام ۱۶۸۱ع) کے حالات بیان کرتے ہوئے 'غراب' کا ذکر کیا ہے ، فرائر نے لفظ 'Grob' استعمال کیا ہے ۔

۱۷۲۷ع : الیگزنڈر ہملٹن نے مسقط کی جنگوں کے سلسلے میں غراب کا ذکر کیا ہے ۔ اس نے 'Grab' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

۱۷۵۰–۵۲ع : اولوف تورین نے اپنے سفر نامے 'غراب' کا ذکر کرتے ہوئے لکھاہے کہ ولندیزی انھیں 'goerabbs' کہتے ہیں اور انگریز 'grabbs' کہتے ہیں ۔

۱۷۵۴ع : ایڈورڈ آئوز (Ives) نے ہندوستان کے سفر نامے میں 'غراب' کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ بمبئی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس ایک 'غراب' تھا جس میں ۱۸ توپیں تھیں ۔ یہاں 'Grab' کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔

۱۷۶۰ع : مسٹر گروز نے سفر نامے میں 'grab' کا ذکر کیا ہے ۔

۱۷۶۳ع : رابرٹ اورم (Orme) نے مغل سلطنت پر اپنے مضامین میں 'grab' کا ذکر کیا ہے ۔

۱۸۱۰ع : میریا گراہم نے اور الفنسٹن نے 'غراب' کا حوالہ دیا ہے ۔ مؤخرالذکر نے 'Glab' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

۱۸۷۲ع : کیپٹن برٹن نے سندھ کے حالات میں 'ghurabs' کا ذکر کیا ہے ۔

جمخانہ (Gym Khana) : یول لکھتا ہے کہ یہ لفظ نیا ہے ۔ پچیس سال پہلے (یعنی ۱۸۵۱ع) تک مستعمل نہیں تھا ۔ سب سے پہلے یہ لفظ میجر جان ٹراٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۶۱ع میں رڑکی میں استعمال ہوا جہاں ایک جمخانہ قائم کیا گیا ۔ غالباً یہ لفظ 'گیند خانہ' کی بدلی

ہوئی شکل ہے ۔ یہ لفظ ایسے مقامات کے لیے استعمال ہوتا ہے جہاں کھیل وغیرہ کی سہولتیں میسر ہوں ۔ ممکن ہے 'gym' اصل میں لفظ 'gymnastics' کے پہلے حصے سے مستعار ہو ۔ یہ لفظ مالٹا تک پہنچ چکا ہے ۔ اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں :

۱۸۷۷ع : 'پائینر میل' (شمارہ ۳ نومبر) میں 'جمخانہ کلب' کا لفظ مرقوم ہے ۔

۱۸۷۹ع : ڈو ڈو (۲ جولائی) میں جمخانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ وہاں لوگ بہت سی حرکتیں کرتے ہیں لیکن کھانا نہیں کھاتے ۔

۱۸۸۱ع : رائل انجینئر جرنل (یکم اگست) میں مالٹا میں جمخانہ کا ذکر ہے ۔

۱۸۸۳ع : 'Tribes on my Fronteer' میں بمبئی کے جمخانوں کا حوالہ ہے ۔

پنکھا (Punkha) : اس لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے یول نے دستی پنکھوں اور چھت سے لٹکے ہوئے پنکھوں کا ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں استعمال ہوتے ہیں ۔ اس نے جو اقتباسات درج کیے ہیں وہ ۱۱۵۰ع ، ۱۱۶۶ع ، ۱۳۰۰ع ، ۱۵۹۶ع ، ۱۵۹۸ع ،۱۶۱۰ع ، ۱۶۱۶ع ، ۱۶۶۳ع ، ۱۷۸۷ع ،۱۸۰۷ع ، ۱۸۰۹ع ، ۱۸۱۰ع ، ۱۸۲۳ع ، اور ۱۸۵۲ع کی تحریروں سے لیے گئے ہیں ۔ قدیم ترین حوالہ فرانسیسی زبان میں مشہور مؤرخ اور محقق دوزی[1] کے لغت سے ہے جس میں ہسپانوی اور پرتگیزی زبانوں کے اُن الفاظ کا بیان ہے جو عربی سے لیے گئے ہیں ۔ اس کتاب میں ایک تحریر کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ 'خیش'[2] ایک قسم کا پنکھا تھا جو ہوا جھلنے کے کام بھی آتا تھا اور بعض اوقات اس پر

---

۱ - Dozyet Engelmann : "Glossaire des Mots Espagnole et Portugais derive's de i. - l Arab" Leid. 1869.

۲ - عربی زبان میں 'خیش' پنکھے کو بھی کہتے ہیں ۔

خوشبو کا پانی ڈال کر کمرے کو معطر کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد الغمزی کے حوالے سے لکھا ہے کہ 'خیش' خلیفہ منصور (۷۵۳—۷۷۴) کی ایجاد ہے۔

پنجاب (Punjab) : پنجاب کا محل وقوع بیان کرنے کے بعد فرہنگ میں پنجاب کے دریاؤں کے قدیم نام سنسکرت اور یونانی زبانوں میں دیے گئے ہیں اور ان کے موجودہ ناموں کے اشتقاق پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد لفظ 'پنجاب' کے بارے میں حسب ذیل اقتباسات پیش کیے گئے ہیں :

قبل مسیح : راماین میں 'پنجند' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
۹۴۰ع : مسعودی نے پانچ دریاؤں کی سر زمین کا ذکر کیا ہے۔
۱۰۲۰ع : البیرونی نے بھی 'پنجند' کا لفظ استعمال کیا ہے۔
۱۳۰۰ع : وصاف نے 'پنجاب' لکھا ہے۔
۱۳۳۳ع : ابن بطوطہ نے 'پنجاب' کا ذکر کیا ہے۔
۱۴۰۰ع : تیمور نے 'پنجاب' لکھا ہے۔
۱۶۴۸ع : وان ٹوسٹ نے 'پنگاب' کا ذکر کیا ہے۔
۱۷۱۰ع : والنجن (Valentjin) نے لاہور کا ذکر کرتے ہوئے 'پنجاب' کا ذکر کیا ہے۔

ان کے بعد فاسٹر (۱۷۹۰ع)، رینل (۱۷۹۳ع)، ولنگٹن (۱۸۰۳ع) اور مالکم (۱۸۱۵ع) سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

شلوار (Shulwaur) : یول نے اس لفظ کو فارسی بتایا ہے اور عربی میں اس کی شکل 'سروال' ہے۔ اس کا ذکر 'عہد نامہ عتیق' میں 'دانیال' میں آیا ہے۔ یول نے متن کے یونانی ترجموں کے اقتباسات (سن نامعلوم ۲۰۰ع اور ۵۰۰ع) سے ظاہر کیا کہ یہ لفظ یونانی زبان میں بھی آج سے دو ہزار سال قبل رائج تھا۔ اس کے بعد لاطینی، انگریزی اور اطالوی زبان کے اقتباسات دیے ہیں۔

رن کچھ (Run of Cutch) : اس علاقے کا تذکرہ اور محل وقوع وغیرہ کے ذکر کے سلسلے میں ۸۰ع ' ۹۰ع ' ۱۳۷۰ع ' ۱۵۸۳ع' ۱۵۹۰ع اور ۱۸۴۹ع کے مورخین اور محققین کے اقتباسات پیش کیے ہیں - ۱۳۷۰ع کا اقتباس شمس سراج عارف سے ، ۱۵۸۳ع کا طبقات اکبری سے اور ۱۵۹۰ع کا آئین اکبری سے لیا گیا ہے -

شمپو (Shampoo) : یہ لفظ انگریزی ، فرانسیسی اور دیگر یورپی زبانوں میں عام ہے - یول نے اس کی اصل ہندی کا لفظ ''چامپنا'' (مالش کرنا وغیرہ) بیان کیا ہے[1] - اس لفظ کا سب سے پہلا اقتباس ۱۷۴۸ع کا ہے اور مشہور سفر نامے 'A voyage to the East-Indies' سے لیا گیا ہے اس کے بعد گروز ، مسز شیروڈ ، ولیمسن اور فاربس کی تحریروں سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں -

مذکورہ بالا مثالوں سے ظاہر ہوگا کہ مصنفین نے اس فرہنگ کی تیاری میں بہت کاوش کی ہے - اس فرہنگ کو شائع ہوئے اسی (۸۰) سال سے زیادہ ہوچکے ہیں لیکن اس کی افادیت باقی ہے اور لسانیات کے متخصصین کے لیے اس میں بہت سی اہم اور دل چسپ معلومات باقی ہیں - اس مضمون میں کتاب کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے - کتاب کے محاسن مطالعے ہی سے ظاہر ہو سکتے ہیں -

---

۱ - اس کی تائید آکسفرڈ ڈکشنری سے بھی ہوتی ہے - فرانسیسی میں لفظ 'Shampooing' استعمال ہوتا ہے لیکن یہ ان الفاظ میں سے ہے جو انگریزی سے فرانسیسی میں آگئے ہیں اور جن کے لیے فرانسیسیوں نے 'Franglais' کی اصطلاح وضع کی ہے -
اردو میں جہاں تک مجھے معلوم ہے 'چپی کرنا' ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے - بہر حال 'چپی' یا 'چمپی' دونوں الفاظ Shampoo کا مشتق ہو سکتے ہیں -

مصنفین - ان کی تصنیفات اور متفرق معلومات

—— ایوزنڈ ایونگ (Eiving)

یونانی اردو لغت لکھی جو ۱۸۸۷ء میں لدھیانے سے شائع ہوئی۔

—— ایچ الدرس

'اردو انگلش لغت' کا مصنف ہے۔ ۱۸۶۹ء میں بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سے اس لغت کا ساتواں ایڈیشن شائع ہوا۔

—— پیٹر برٹن (Peter Burton)

اس مصنف کا تذکرہ 'شانتی رنجن بھٹاچاریہ' کو بنگال کے ہفتہ وار اخبار 'سماچار درپن' کے ۶ اگست ۱۸۲۵ء کے شمارے میں ملا۔ پیٹر برٹن ایک لائق ڈاکٹر تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۲۴ء میں دیسی طالب علموں کو دیسی زبانوں میں تعلیم دینے کے لیے کلکتہ میڈیکل کالج میں ایک شعبہ قائم کیا۔ اس شعبے میں انگریزی کی بجائے اردو اور ہندی میں میڈیکل تعلیم دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر پیٹر برٹن اس شعبے کے پروفیسر تھے۔ برٹن انگریزی کے علاوہ سنسکرت، عربی، فارسی، لاطینی، بنگلہ، اردو اور ہندی پر عبور رکھتا تھا۔ اس نے طلبا کے لیے بہت سی طبی کتابیں تالیف کیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

علم تشریح، رسالہ بیان ویکسی نیشن، بیان تپ نوبت کا، رسالہ ہیضے کا بیان، بات (کذا) کے مرض کی ماہیت اور علامات اور اقسام اور معالجات، بیان ہائیڈروسیل کا بیان موتیا بند کا، بیان سانپ کے بکھ کا، پیٹ کے اندر کی چیزوں کا بیان، تشریح آنکھ کی، چھاتی کے اندر کی چیزوں کا بیان، تشریح ہڈیوں کی، لندن فارما کوپیا، تشریح گردوں کی، تشریح پینس یعنی قضیب کی، بیان ان زہروں کا جو نباتات سے علاقہ رکھتے ہیں، رسالہ بیان میں ہڈیوں کے اکھڑنے کا، بیان ماہیت اور تاثیر ہوا کا، بیان کان کا اور بیان ڈوبنے اور پھانسی ہونے کا۔

۱- دیکھیے بنگال کے یورپین مصنفین اردو دہلی، اپریل ۱۹۶۷ء جسے 'صحیفہ' لاہور شمارہ جولائی ۱۹۶۷ء میں نقل کیا گیا۔

ـــــمیر اولاد علی

سادات بارہہ سے تھے ۔ ٹرنٹی کالج ڈبلن یونیورسٹی میں ہندوستانی، عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے ۔ دتاسی[1] نے اپنی تاریخ اور خطبات میں ان کا ذکر بہت احترام سے کیا ہے ۔

ـــــبرنل (آرتھر کوک) (Arthur Coke Burnell)

برنل جس نے مشہور فرہنگ Hobson Jobson کی تالیف میں مولف ہنری یول کی مدد کی ۱۸۴۰ع میں پیدا ہوا ۔ یہ سنسکرت کا فاضل تھا اور جنوبی ہندوستان کی زبانوں اور ادب پر اچھی نظر رکھتا تھا ۔ اس نے عربی زبان بھی پڑھی تھی جسے اس نے انڈین سول سروس کے امتحان میں ایک مضمون کی حیثیت سے منتخب کیا تھا ۔ اس نے جنوبی ہندوستان کی زبانوں، معاشرت، آثار قدیمہ نیز ہندوؤں کے قدیم قوانین کی کتابوں (منتو) وغیرہ کا ترجمہ کیا اور ان کی شرحیں لکھیں ۔ برنل نے بالمشافہ اور خط کتابت کے ذریعے ہنری یول کی مدد کی جس کا اعتراف اس نے Hobson Jobson کے دیباچے میں کیا ہے ۔ برنل نے سنسکرت مخطوطات کا کیٹلاگ بھی مرتب کیا ۔ ۱۸۸۲ع میں اس کا انتقال ہوگیا ۔

ـــــجیمز ۔ آر ۔ بیلنٹائن (James R. Ballan tyne) حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے ۔

A Grammar of the Hindustan's language followed by a series of grammatical excercises for the use of the Scotish naval and military academy, Edinburgh, 1838.

ـــــناتھے برائس ۔ (Nathe Brice)

حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے :

A romanised Hindustan and English dictionary, Calcutta, 1847.

---

[1] دیکھیے ۔ جلد اول، صفحہ ۹۰، ۸ اور مقالات گارسیں دتاسی ۔ ۱۸۷۲ع ۔

۱۸۸۰ء میں اس لغت کا تیسرا ایڈیشن لازارس (Lazarus) نے نظر ثانی کرکے بنارس سے شائع کیا۔

—گراہم بیلی (Graham Bailey)

یہ مشہور کتاب A History of Urdu Literature کا مصنف ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اردو زبان کی ابتدا سے لے کر ۱۹۲۸ء تک مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ گراہم بیلی عرصے تک سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز لندن میں اردو کا استاد رہا۔ ۱۹۴۲ء میں وفات پائی[1]

—ایچ۔ بلوک مین (H. Blockman)

انگریزی اردو سکول ڈکشنری رومن رسم الخط میں لکھی۔ آٹھویں بار کلکتہ سے ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

—ولیم پرائس (William Price)

یہ حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے:

Hindee and Hindustanie Selections, Calcutta Hindustan Press: 1827.

—کیپٹن بورادیل (Capt. Borradaile)

انگریزی ہندوستانی لغت مدراس سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔

—جان پلیٹس - (John T. Platts)

یہ حسب ذیل کتابوں کا مصنف ہے:

A grammar of the Hindustani or Urdu language-Humphary Milford, Oxford University Press; 6th impression 1920.

A Dictionary of Urdu classical Hindi and English,

—پولک (Pollock)

پولک کی ہندوستانی جیبی لغت ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔

—ڈبلو ایل تھابرن - (W. L. Thoburn)

۱۔ دیکھیے ڈاکٹر محمد باقر، 'ڈاکٹر گراہم بیلی' 'مخزن' جنوری، ۱۹۴۹ء۔

انگریزی اردو لغت لکھنؤ سے ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی ۔

—— ٹی ۔ ڈبلیو ۔ تالبورٹ (T. W. Talbort)

ڈیرہ اسماعیل خان (مغربی پاکستان) میں اسسٹنٹ کمشنر تھا ۔ حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے :

خلاصہ حال اقوام ہند ۔ مطبع جیل ڈیرہ اسماعیل خان ، ۱۸۷۰ء ۔

—— کیپٹن رابرٹ شیڈون ڈوبی (Robert Sheddon Dobbie)

انگریزی ہندوستانی لغت ۱۸۴۶ء میں لندن سے شائع ہوئی ۔

—— جے ، ٹی ، تھامسن (J. T. Thamson)

حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے :

Oordu and English Dictionary. Dec 1827.

—— ڈبلیو سینٹ کلیر ٹسڈل (W. St. Clair Tisdall)

سی ایم ایس کالج ازلنگٹن لندن میں عبرانی زبان کا پروفیسر تھا ۔ حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے :

A Conversation- grammar of the Hindustani Language, London, David Nutt 1911.

—— جوزف ٹیلر (Joseph Taylar)

ہندوستانی انگریزی لغت ۱۸۰۵ء میں لکھا جسے ولیم ہنٹر نے اضافے اور نظر ثانی کے بعد ۱۸۰۸ء میں کلکتہ سے شائع کیا ۔

—— تامس روبک (Thomas Roebuck)

تامس روبک ۱۷۸۱ء میں لنلتھکو شائر میں پیدا ہؤا ۔ اس نے ایڈمبرا میں تعلیم حاصل کی ۔ ۱۸۰۱ء کے شروع میں روبک ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہو کر ہندوستان آیا اور فوج میں ۱۸۱۲ء میں لیفٹیننٹ اور ۱۸۱۵ء میں کیپٹن ہوگیا ۔

روبک نے جلد ہندوستانی زبان پر کامل عبور حاصل کر لیا — ۱۸۰۵ء میں وہ خرابیٔ صحت کی وجہ سے انگلستان چلا گیا اور وہاں جان گلکرسٹ کے ساتھ انگریزی ہندوستانی لغت کی تدوین میں مصروف رہا ۔ ۱۸۱۰ء میں

واپسی پر اس نے بحریہ کے متعلق ایک انگریزی ہندوستانی لغت مع اُردو قواعد تیار کیا جو کلکتہ سے ۱۸۱۱ع میں شائع ہوُا اور اس کے بعد اس کے پانچ ایڈیشن ۱۸۴۸ع تک شائع ہوئے۔ چھٹا ایڈیشن لشکری ڈکشنری کےنام سے اضافے اور ترمیم کے ساتھ جارج سمال نے ۱۸۸۲ع میں شائع کیا۔ ۱۸۱۱ع میں روبک کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں اسسٹنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے ہوُا۔ اس دوران میں ۱۸۱۹ع میں روبک کا انتقال ہوگیا۔ انتقال سے قبل روبک نے ایک کتاب ہندوستانی ترجمان (Hindoostni Interpretor) ۱۸۱۸ع میں شائع کی جس میں صرف و نحو کے بنیادی اصول اور ایک فرہنگ شامل ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن کارمیکال سمتھ کی نظر ثانی کے بعد ۱۸۲۴ع میں شائع ہوُا اور تیسرا ایڈیشن لندن اور پیرس میں ۱۸۴۱ع میں شائع ہوا۔

The Annals of Fort William's College Calcutta 1819.

A Collection of Proverbs and proverbial Phrase as in the Persian and Hindustani Languages, Calcutta, 1824.

۱۸۱۹ع میں کلکتہ میں روبک کا انتقال ہوگیا۔ جہاں پارک سٹریٹ عیسائی قبرستان میں اس کی قبر موجود ہے۔

ایس روسو (S. Rousseau)

شرع اسلام، اصطلاحات مال گزاری وغیرہ کا ایک لغت لندن سے پہلی بار ۱۸۰۲ع میں اور دوسری بار ۱۸۰۵ع میں شائع ہوُا۔

ـــــ ڈبلیو سینٹ کلیر ٹسڈل

(W. St. Clair Tisdall) (Harbrew Lecturer, C.M.S. College Islington London).

حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے:

A conversation-Grammar of the Hindustani Language.

ـــ جی۔ این۔ رینکنگ (G. N. Ranking) ۱۸۵۲ع میں پیدا ہوُا۔ ۱۸۷۵ع میں پہلے بمبئی اور پھر کلکتہ آیا اور فوج میں میڈیکل آفیسر

مقرر ہوا اور زبان سیکھی - ۱۸۷۹ع میں بوجہ خرابیٔ صحت انگلستان گیا اور وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے کیا - اس کے بعد ہندوستان آیا اور عربی ، فارسی ، اردو اور ہندی کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کیے - ۱۸۷۵ع میں فورٹ ولیم کالج میں بورڈ آف اگزامنر کے تحت ملازم ہوا اور ۱۹۰۵ع میں انگلستان چلا گیا اور وہاں آکسفرڈ یونیورسٹی میں اُردو کا پروفیسر مقرر ہوا - ۱۹۳۰ع میں پھر ہندوستان آیا اور کلکتہ یونیورسٹی میں تاریخ ، فارسی ادب اور ایرانی فلاسفی کا لیکچرار مقرر ہوا[1] -

رینکنگ کی حسب ذیل تصنیفات کا پتا لگ سکا ہے :

ہدایت الحکمتہ - کلکتہ - تھاکر اینڈ سپنک کمپنی - بیپٹسٹ مشن پریس - ۱۸۷۸ع - یہ کتاب ہندوستانی میڈیکل افسران کے لیے ہے -

تعلیم اردو زبان - کلکتہ - تھا کر اینڈ سپنک کمپنی - کلکتہ سنٹرل پریس ۱۸۸۹ع -

آسان اُردو پاکٹ بک - کلکتہ - تھاکر اینڈ سپنک کمپنی - ۱۸۹۵ع -

اُردو پروز کمپوزیشن - کلکتہ - تھا کر اینڈ سپنک کمپنی - ۱۸۹۶ع -

انگریزی اُردو لغت - کلکتہ - تھاکر اینڈ سپنک کمپنی - ۱۹۰۵ع -

سپرنگر (Aloys Sprenger) مشہور محقق سپرنگر کا پورا نام آلویز سپرنگر (Aloys Sprenger) تھا - وہ ۳ ستمبر ، ۱۸۱۳ع کو

۱- رینکنگ کے حالات زندگی میں نے شانتی رنجن بھٹا چاریہ کے مضمون "بنگال کے یورپین مصنفین" سے لیے ہیں جو 'آجکل' دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۶۷ع میں شائع ہوا اور جسے صحیفہ لاہور ، جولائی ۱۹۶۷ع میں نقل کیا گیا ہے - اس میں جو سنین دیے گئے ہیں ان کی صحت میں مجھے شبہ ہے -

نسرایٹ Nusserit (جرمنی) میں پیدا ہوا ۔ طب اور مشرقی زبانوں کی تعلیم ویانا میں حاصل کی ۔ اس زمانے میں اس نے مشرقی علوم پر متعدد مضامین تحریر کیے ۔ ۱۸۳۶ع میں وہ پیرس روانہ ہوا اور کچھ عرصہ پیرس میں قیام کے بعد اسی سال لندن چلا گیا ۔ اس زمانے میں ارل آف منسٹرز (Earl of Munsters) لندن میں مسلمانوں میں فوجی علوم پر کام کر رہے تھے ۔ موصوف نے اس کام میں سپرنگر کو اپنے ساتھ معاون کی حیثیت سے لگا لیا ۔ ۱۸۴۱ع میں سپرنگر نے طب کی اعلیٰ ترین ڈگری لائڈن یونیورسٹی سے حاصل کرنے کے لیے ''عربی طب کی ابتدا'' کے موضوع پر مقالہ پیش کیا اور بعض دیگر عربی کتب کا ترجمہ کیا ۔ اس عرصے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کی خدمات حاصل کیں اور وہ ۱۸۴۳ع میں کلکتہ آ گیا ۔ ۱۸۴۴ع میں 'محمڈن کالج' دہلی میں پروفیسر مقرر ہوا اور ۱۸۴۸ع تک اسی عہدے پر قائم رہا ۔ اس عرصے میں اس نے اصطلاحات ۔ تصوف (مطبوعہ کلکتہ ، ۱۸۴۴ع) ، انگریزی ہندوستانی گرامر (۱۸۴۵ع) ، عربی تصنیفات سے اقتباسات (کلکتہ ، ۱۸۴۵ع) اور تاریخ محمود غزنوی (کلکتہ ، ۱۸۴۷ع) تالیف کیں ۔ ۱۸۴۷ع میں وہ کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر لکھنؤ گیا جہاں اکسٹرا اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کے عہدے پر اس کا تقرر ہوا ۔ لکھنؤ میں اس نے شاہان اودھ کے کتب خانے کی فہرست تیار کی ۔ اس کام کے بارے میں سپرنگر لکھتا ہے :

''۶ ستمبر ، ۱۸۴۷ع کو مجھے حکومت ہند نے لکھنؤ کے ریذیڈنٹ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدے پر تقرر کا اعزاز عطا کیا ۔ یہ اسامی عارضی نوعیت کی تھی اور میرے ذمہ یہ کام تفویض کیا گیا تھا کہ میں شاہ اودھ کے کتب خانوں میں عربی اور فارسی کتب کی فہرست تیار کروں ۔ مجھے جو احکام ملے ان میں یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ

''یہ ضروری نہیں کہ آپ اپنا کام بادشاہ کے کتب خانوں تک محدود رکھیں، جہاں تک موقع مل سکے آپ وہ متعدد کم یاب اور بیش قیمت کتابیں بھی دیکھیے جو شہر کے بعض خانگی کتب خانوں میں موجود ہیں۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران میں میں عرصے تک علیل رہا۔ میں نے فہرست کی تیاری میں اٹھارہ مہینے صرف کیے اور تقریباً دس ہزار کتابیں دیکھیں'[1]۔

۱۸۵۱ع میں سپرنگر نے گلستان سعدی کا ترجمہ کیا اور اس کے بعد حضرت محمد صلعم کی سوانح حیات پر کتاب لکھی جس کا پہلا حصہ الہ آباد سے ۱۸۵۱ع میں شائع ہؤا۔ ۱۸۵۱ع میں سپرنگر نے لکھنؤ چھوڑ دیا اور ۱۸۵۴ع تک حکومت کے فارسی مترجم محمڈن کالج ہوگلی کے پرنسپل اور کلکتہ مدرسہ کے پرنسپل کی حیثیت سے کلکتہ میں رہا۔

۱۸۵۷ع میں سپرنگر ہندوستان سے چلا گیا اور جرمنی میں پہلے وائن ہائم (Weinhiem) اور اس کے بعد ہائڈل برگ (Heidelberg) کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ وائن میں اس نے مشرق کتابوں کی فہرست (''Bibliotheca Orientales Sprengariana'') تیار کر کے شائع کی۔ سپرنگر مشرق کتابوں کا گراں قدر ذخیرہ اپنے ساتھ لے گیا تھا جسے برلن میں پرشیا کی اسٹیٹ لائبریری نے اس سے حاصل کیا۔ اس کے بعد سپرنگر کو بون یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسری کا عہدہ حاصل ہو گیا۔ ۱۸۸۱ع میں سپرنگر واپس ہائڈلبرگ آ گیا اور ۱۸۹۳ع میں ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی

۱۔ دیکھیے:

A Sprenger Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani manuscripts, Calcutta J. Thomas Baptist Mission.

—ایس سلاٹر (S. Slotter) بیپٹسٹ کالج کلکتہ میں پروفیسر تھا۔ صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی جو بیپٹسٹ مشن کلکتہ سے ۱۸۴۹ع میں شائع ہوئی۔ دوسری کتاب سرچشمۂ محبت ۱۸۹۰ع میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ سرچشمۂ محبت عیسائی مذہب کے لیے تبلیغی تصنیف ہے۔

—جارج سمال (George Small) مندرجہ ذیل کتاب کا مصنف ہے:

—A grammar of Urdu or Hindustani language, Calcutta, 1895.

——کارل میکال سمتھ (Charlmachael Smith)

سمتھ نے پیٹر کی مرتب کیا ہوا جوزف ٹیلر کا اردو انگریزی لغت چند اضافوں کے ساتھ ۱۸۲۰ع میں لندن سے شائع کیا۔

——جان شیکسپئر (John Shakespeare)

اس انگریز مستشرق (پیدائش ۱۷۷۴ع - وفات ۱۸۵۸ع) نے لندن میں عربی زبان کی تعلیم حاصل کی - ۱۸۰۵ع میں رائل ملٹری کالج مار بو میں مشرقی علوم کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۰۹ع میں افسران کی تربیت کے لیے ایک کالج ایڈس کومب (Addiscomb) میں قائم[1] کیا اور شیکسپئر اس کالج میں ہندوستانی زبان کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس دوران میں اس نے ایک ہندوستانی گرامر لکھی - ۱۸۲۹ع میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے ریٹائر ہوا۔ اس کی تحقیقات حسب ذیل ہیں:

(1) Hindustani Grammar, 1813 Sixth Edition 1855.

(2) Dictionery of Hindustani and English 1817; Fourth edition 1849,

(3) Muntakhabat-e-Hindi or Selection in Hindustani with verbal Translations or particular vocabularies and a grammatical analysis of some parts for the use of students of that language, 1817-1818.

۱۔ ایڈس کومب کالج کے حالات کے لیے دیکھیے۔
Royal Arabic Society Journal Vol. XVII.

(4) Introduction to the Hindustani language, 1845.

(5) Hindu and Hindustani, selection to which are prefixed the requriments of Hindustani and Birj Bhasha grammar, 1827, 2 vols.

——**حسن علی (میر) لکھنوی** - کئی سال انگلستان میں رہے - ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی سکول بمقام کرائڈن (Croydon) میں منشی تھے - گارسین دتاسی نے اپنی 'تاریخ' میں ان کا حوالہ دیا ہے -[۱] ان کی انگریز بیوی ہندوستانی مسلمانوں کے طرز زندگی پر ایک کتاب (Observations on the Muslims of India) کی مصنف ہیں جو ۱۸۳۲ع میں لندن سے شائع ہوئی- گارسین دتاسی نے اس کتاب پر تبصرہ لکھا ہے[۲] -

—**سید عبداللہ** - لندن یونیورسٹی میں اردو کے استاد تھے - گارسیں دتاسی اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے[۳] -

—**ڈنکن فاربس** (Doncan Forbes)

ڈنکن فاربس (پیدائش ۱۷۹۸ع—وفات ۱۸۶۸ع) کینرڈ کے مقام پر پیدا ہوا - اس نے سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی سے ۱۸۲۳ع میں ایم اے کیا - اسی سال سے کلکتہ اکیڈمی میں ملازمت مل گئی - صحت کی خرابی کی وجہ سے فاربس صرف ۱۸۲۶ع تک کلکتہ میں رہا اور پھر واپس لندن آ کر ہندوستانی زبان میں پہلے گلکرسٹ اور پھر آرنوٹ کا مددگار پروفیسر بن گیا ۱۸۳۷ع میں فاربس کنگز کالج لندن میں مشرق علوم کا پروفیسر مقرر کیا گیا اور ۱۸۶۱ع تک اسی عہدے پر رہا - اردو کے بارے میں فاربس کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں :

۱- دیکھیے حوالہ ما سبق - جلد اول - صفحہ ۸۹۰ -

۲- دیکھیے Journal Asiatique 1832 (January) -

۳- دیکھیے جلد اول - صفحہ ۸۹۰ -

An essay on the Origin and Structure of the Hindustani Tongue, London, 1828—1844—1861.

یہ کتاب فاربس نے آرنوٹ کے ساتھ مل کر مرتب کی ۔

The Hindustani Manual, London 1845, 1850, 1874.

A Grammar of Hindnstani Language in the Oriental and Roman character, London 1846.

A Dictionary, Hindustani-English, English-Hindustani 2 vols. London 1848, 1857, 1859.

Oriental Pen manship London 1849.

Two letters addressed to E. B. Eastwick.

ان خطوط میں ایسٹ وک کے مضمون بہ عنوان "Lucubration on the Bagh o Bahar" کا جواب دیا گیا ہے ۔

A smaller Hindustani and English Dictionary, London 1861.

—فاربس اور پلیٹس نے مل کر بیتال پچیسی کا ترجمہ انگریزی میں کیا جو لندن سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا ۔

ان تالیفات کے علاوہ فاربس نے قصۂ حاتم طائی کا ترجمہ ۱۸۳۰ء میں شائع کیا اور 'باغ و بہار' کا متن ۱۸۴۶ء ، ۱۸۴۹ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع کیا اور حروف ابجد کی ترتیب سے باغ و بہار کی فرہنگ بھی مرتب کی جو ۱۸۴۶ء کے ایڈیشن میں شامل ہے ۔ اس نے باغ و بہار کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ۔ اُردو سے دلچسپی لینے کے باوجود وہ مشرق داستانوی ادب کے بارے میں کچھ عجیب و غریب نظریے رکھتا تھا ۔ چنانچہ باغ و بہار کے ترجمے کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ :

"(اس کتاب کی) کہانی دلچسپ ہے بشرطیکہ ہم یہ یاد رکھیں کہ ایشیا کا کوئی داستان نگار یا مورخ ایسا نہیں جو جس کے ہاں تسلسل پایا جاتا ہو یا جس میں fabulous credulity نہ ہو ۔ ۔ ۔"

ـــــ اے ۔ این ۔ فلپس (A. N. Philps)

مندرجہ ذیل کتاب کا مصنف ہے :

Hindustani idioms with vocabulary and notes. London 1892.

ـــــ فلٹ (Lt. Colonal D.C. Phillott)

حسب ذیل عہدوں پر فائز رہا :

Secretary Board of Examiners Calcutta; General Secretary Arabic Society of Bengal, Fellow of the Calcutta University.

تصنیفات حسب ذیل ہیں :

Hindustani Stepping Stones.

Hindustani stumbling blocks, Third impression, London : Gosbey Lockwood & Son. 1921.

یہ کتاب کلکتہ کے اعلیٰ امتحان کے لیے لکھی گئی :

Hindustani Manual,
Third Edition Calcutta, Published by the author, 1918.

فلٹ نے محاورات اردو پر ایک کتاب لکھی جو کلکتہ سے ۱۹۱۰ع میں شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۳ع میں شائع ہوا ۔

ان کے علاوہ فلٹ نے فارسی کی دو کتابوں **لغات الامن** اور **بازنامۂ ناصری** کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے ۔

"Hindustani-English vocabulary of Indian Birds" for the Journal and Proceedings. Asiatic Society of Bengal New Services. Vol. IV Nov. 1908.

کرنل فلٹ کچھ عرصہ کیمبرج یونیورسٹی میں ہندوستانی کا پروفیسر رہا ۔

ـــــ ہنری فنک (Henry Funk)

دولت ہند ۱۸۳۶ع میں بپٹسٹ مشن کلکتہ سے شائع ہوئی ۔ اس کتاب میں حکمت ، زراعت اور فنون باغیچہ وغیرہ کا بیان ہے ۔

ـــــ فرگسن (Fergusson)

اس کا لغت ۱۷۷۳ع میں شائع ہوا ۔

——ایس - ڈبلیو - فیلن - (S. W. Fallon)

A dictionary of Hindustani prorverbs, London 1886.

A Hindustani English Law and Commercial dictionary, 1879.

A new Hindustani English Dictionary London 1879.

یہ تینوں کتابیں اردو زبان کی بنیادی لغت میں شمار کی جاتی ہیں

——پیٹرک کارنیگی (Patrick Carnegy)

رائے بریلی میں کمشنر تھا ۔ اس کے لغت میں دفاتر ، عدالت ، مالگزاری ، صنعت و حرفت وغیرہ سے متعلق الفاظ جمع کیے گئے ہیں ۔ الہ باد سے ۱۸۵۳ع میں شائع ہوئی ۔

——ریورنڈ کریون (Rev. craven)

Royal School Dictionary کا مصنف ہے جو رومن حروف میں ہے اور لکھنؤ سے ۱۸۸۱ع میں شائع ہوئی ۔

——کمپسن (M Kempson) (پیدائش ۱۸۳۱ع - وفات ۱۸۹۴ع)

کیمبرج میں سکالر اور رائل سٹاف کالج میں پروفیسر تھا ۔ حسب ذیل کتاب کا مصنف تھا :

The Syntax and Idioms of Hindustani, London Crosley Lockwood, 1890—1893—1906.

اس نے نذیر احمد کی **توبتہ‌النصوح** کا انگریزی میں آزاد ترجمہ کیا ۔

——کیگن (Rev. W. Keegan)

حسب ذیل کتاب کا مصنف تھا :

A vocabulary in Urdu, Latin and English Sardhana, Roman Catholic Orphan Press. 1882.

—ہنری گرانٹ (Henry Grant)

حسب ذیل کتاب کلکتہ سے ۱۸۵۰ع میں شائع ہوئی ۔

Angio Hindustani Vocabulary

—بازل گروو (Hazel Grove)

انگریزی ہندوستانی فرہنگ ۱۸۶۵ع میں بمبئی سے شائع ہوئی۔

—سرجارج ابراہیم گریرسن۔ (Sir George Abraham Grierson)

ہندوستان کی زبانوں سے متعلق مشہور کتاب کا مصنف گریرسن ۱۸۵۱ع میں پیدا ہؤا۔ وہ انڈین سول سروس کا رکن تھا اور ۱۸۷۳ع سے ۱۸۹۸ع تک بنگال پریذیڈنسی میں مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے "Linguistic Survey of India" کی تالیف ۱۸۹۸ع میں شروع کی۔ یہ کتاب ۹ جلدوں میں ہے اور اس میں ایک سو اُناسی (۱۷۹) زبانوں اور پانچ سو چوالیس (۵۴۴) بولیوں کی لسانیات اور خصوصیات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ کتاب ۱۹۲۸ع میں مکمل ہوئی۔ گریرسن کی دیگر تصانیف میں حسب ذیل کتب شامل ہیں۔

Seven Grammars of the Dialects and subdialects of the Bihari Language, (8 parts 1883—87)

Bihar Peasant Life (1885).

The modern vernacular Literature of Hindustan (1889).

A Dictionary of the Kashmiri Language (1916—32).

The Pisaca Language of North Western India (1906).

۱۹۴۱ع میں گریرسن کا انتقال ہو گیا۔

—گلکرسٹ (J. B. Gilchrist)

جان باتھ وک گلکرسٹ (John Bothwick Gilchrist)

(پیدائش ۱۷۵۹ع۔ وفات ۱۸۴۱ع) ایڈنبرا میں پیدا ہؤا اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ۳ اپریل ۱۷۸۳ع کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہو کر کلکتے آیا۔ اس نے شمالی ہندوستان میں رہ کر ہندوستانی زبان سیکھی اور اس کے ساتھ ساتھ سنسکرت فارسی اور دیگر مشرق زبانوں سے بھی

۱- میں نے اپنی کتاب کی تالیف میں سرجارج کی اس کتاب سے کئی مقامات پر استفادہ کیا ہے۔

واقفیت حاصل کی اور بعض اہم کتابیں مرتب کیں جن میں انگریزی ہندوستانی لغت (کلکتہ ۹۰-۱۷۸۷ع)، ہندوستانی گرامر (کلکتہ ۱۷۹۴ع) اور ہندوستانی زبان پر ایک مقدمہ (کلکتہ ۱۸۰۲ع) خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔ گورنر جنرل لارڈ ویلزلے نے اس کی خاطر خواہ مدد کی اور جب ۱۷۹۱ع میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو گلکرسٹ کو ہندوستانی شعبے کا ناظم بنا دیا ۔ گلکرسٹ نے اردو زبان کے متعدد لکھنے والوں کی خدمات حاصل کیں تاکہ یورپی نوواردان کے لیے اردو زبان کی تعلیم کے لیے نصابی کتابیں مرتب کی جائیں ۔ اس سلسلے میں جن اہل قلم نے اس کے ساتھ کام کیا ان میں میر امن بہت مشہور ہیں ۔

گلکرسٹ ۱۸۰۴ع تک کالج میں رہا ۔ اس عرصے میں اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں ۔ ۱۸۰۴ع میں خرابیٔ صحت کی وجہ سے وہ واپس وطن چلا گیا اور ۱۸۰۹ع میں کمپنی کی سروس سے ریٹائر ہو گیا ۔ اس نے پہلے ایڈنبرا اور پھر لندن میں رہائش اختیار کی اور ہندوستان کی ملازمتوں کے امیدواروں کو اردو زبان کی تعلیم دینے کا کام خانگی طور پر شروع کیا ۔ دو سال بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ طے کر لیا کہ تمام ملازمین خصوصاً طبی عہدہ‌دار انگلستان سے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے ہندوستانی زبان سیکھیں ۔ چنانچہ پروفیسر کا ایک عہدہ قائم کیا گیا اور گلکرسٹ کا اس پر تقرر کر دیا گیا ۔ اس عرصے میں گلکرسٹ کے تعلقات کمپنی کے افسران سے بہت ناخوشگوار ہو گئے اور اس نے اپنی شکایات ایک طویل رپورٹ کی شکل میں حکومت کے سامنے پیش کر دیں ۔ وہ اردو زبان کی پروفیسری پر ۱۸۲۶ع تک قائم رہا اور اس کے بعد اردو کی تعلیم کا کام آرنوٹ اور فاربس کے سپرد کر کے مستعفی ہو گیا ۔

پروفیسری سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی گلکرسٹ نے اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ۔ وہ خانگی طور پر طالب علموں کو اردو پڑھاتا تھا ۔ ۱۸۲۱ع میں اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسے کے

قریب ایک ہندوستانی کلاس کھولنے کا منصوبہ بنایا لیکن آرنوٹ اور
فاربس نے اس کی شدید مخالفت کی اور لنڈن اورینٹل انسٹی ٹیوشن کی
پہلی رپورٹ (اپریل ۱۸۲۸ع)میں گلکرسٹ پر شدید حملے کیے - آخر عمر
میں گلکرسٹ نے ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کی اور ۱۸۴۱ع میں پیرس میں
انتقال کیا - وہ حسب ذیل کتب کا بھی مصنف ہے :

—Anti-Jargonist.
—Oriental Linguist,
—East India Guide.
—Scholars' Shortest road to Hindustani Language.

—ولیم لاکر

'تحریر اقلیدس' کلکتہ سے ۱۸۵۲ع میں شائع ہوئی - یہ کتاب ڈاکٹر
سپرنگر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی -

——لیبی دف (Lebedeff) کی کتاب ہندوستانی صرف نحو پر
۱۸۰۱ع میں شائع ہوئی - یہ روسی تھا - ۱۸۷۵ع میں مدراس پہنچا -
دو سال رہ کر کلکتہ چلا گیا - جہاں اس نے سنسکرت بنگالی اور اردو
زبانیں سیکھیں - اس کے بعد وہ دہلی چلا گیا اور کوئی تیس برس کے
بعد انگلستان چلا گیا -

——کاٹن ماتھر (Cotton Mather) - ایڈس کومب کالج میں
ہندوستانی کا پروفیسر تھا -

——ڈیوڈ مل (David Mill) -

اس نے اپنے مضامین اور تحریرات کا مجموعہ ۱۷۴۳ع میں شائع کیا
جس کا مختصر نام Selection Mill's Dissertations ہے - اس میں
ایک حصہ متفرق مشرق مباحث (Miscellanea Orientalis) کا بھی
ہے - اس حصے میں اس نے کنذار کی ہندوستانی صرف نحو اور لغت چھاپ
دی ہے - اس کتاب میں ہندوستانی زبان پر بحث کی گئی ہے - چند
صفحات میں لاطینی ہندوستانی اور فارسی لغت ہے اور اس کے
بعد ہندوستانی ، فارسی اور عربی الفاظ کو مقابلتاً دکھایا گیا

ہے۔ ہندوستانی ابجد کے جو جدول دیے ہیں ان میں تو ہندوستانی حروف وغیرہ رومن حروف میں دیے ہیں باقی تمام کتاب لاطینی میں ہے۔ ہندوستانی الفاظ کا املا ولنڈیزی طریقہ تلفظ کے مطابق ہے۔ نیز ہندوستانی زبان لکھنے کے لیے فارسی عربی حروف کے استعمال کی تصریح کی ہے۔

—ولسن (N.H. Wilson)

حسب ذیل عہدوں پر فائز رہا:

Librarian in the East India Company.

Boden Professor of Sanskrit in the University of Oxford.

مندرجہ ذیل کتاب کا مصنف ہے:

Glossary of Judicial and revenue terms.

London W. Allen & Co. 1855.

اس میں عربی، فارسی، ہندوستانی، سنسکرت، ہندی، بنگالی، اڑیا، مرہٹی، گجراتی، تلگو، کرناٹکی، تامل، ملائلم وغیرہ زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔

دیباچے میں مصنف لکھتا ہے کہ "ہندوستانی زبان کے الفاظ دیگر زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔

—مونیر ولیمز (Monier Williams)

ہیل بری کالج میں اردو کا پروفیسر تھا۔ حسب ذیل کتاب کا مصنف ہے:

An easy introduction to the study of Hindustani in which the English alphabet is adopted to the expression of Hindustani with full syntax.

—کپتان ایچ۔ بی ہنٹ۔

فارسی اردو خط کتابت ۱۸۴۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی

ڈبلیوسی ہولنگ۔

ترجمہ ریختہ گیت ۱۸۵۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی ۔ اس کتاب میں اردو شعرا کے کلام میں سے چند غزلیات کا انتخاب اور اسکا انگریزی ترجمہ پیش کیا گیا ہے ۔

——ولیم ہنٹر (William Hunter) پیدائش (۱۷۵۵ء ۔ وفات ۱۸۱۲ء) ایبرڈمن یونیورسٹی سے ۱۷۷۷ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۔ پہلے میکانک اور اس کے بعد طب کا پیشہ اختیار کیا ۔ ۱۷۸۱ء میں ہندوستان آ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے ملازم ہو گیا ۔ بعد میں ترقی کر کے سرجن ہو گیا ۔ اس نے اپنے منصبی فرائض کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور فارسی اور ہندوستانی زبان سیکھی ۔ ۱۸۰۱ء میں وہ فورٹ ولیم کالج میں فارسی اور ہندوستانی کا ممتحن مقرر ہوا ۔ ۱۸۰۸ء میں ہنٹر نے جوزف ٹیلر کی ہندوستانی ، انگریزی لغت اضافوں کے ساتھ دو جلدوں میں کلکتہ سے شائع کی۔ اس کے علاوہ ہنٹر نے فارسی اور اردو میں ضرب الامثال اور ان کے ترجمے پر ایک کتاب لکھنی شروع کی جسے مکمل کر کے اس کے دوست کیپٹن اولیے بک (Capt. Roebuck) اور ہوریس ہیمن ولسن (Horace Haymen Wilson) نے ۱۸۲۴ء میں کلکتہ سے شائع کیا ۔

ہنٹر نے مرزا محمد فطرت کے کیے ہوئے انجیل مقدس کے ترجمے کا اصل یونانی متن سے مقابلہ کر کے ترجمے پر نظرثانی کی ۔ یہ ترجمہ ۱۸۰۴ء میں شائع ہوا ۔

——رورنڈ ہوپر (Hooper) ۔ عبرانی اردو لغت ۱۸۸۰ء میں لاہور سے شائع ہوا ۔

——جارج ہیڈلے (George Hadley) صرف و نحو پر ہیڈلے کی کتاب ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی اور مرزا فطرت لکھنوی کے مزید اضافے کے ساتھ ۱۸۶۱ء میں پھر شائع ہوئی ۔ ہیڈلے مندرجہ ذیل کتاب کا بھی مصنف ہے :

A compandium grammar of the current dialects of Jargaon, with vocabulary, London, 1804.

——ہنری ہیرس (Henry Harris) - ہندوستانی انگریزی لغت ۱۷۹۰ء میں مدراس سے شائع ہؤا -

——ولیم ییسٹس (William Yestes) پیدائش ۱۷۹۲ء - وفات ۱۸۴۵ء - ولیم ییسٹس عیسائی مشنری تھا اور ۱۸۱۵ء میں ہندوستان آیا - زیادہ عرصہ کلکتہ میں رہا جہاں سنسکرت ، بنگلہ ، اردو اور ہندی زبانیں سیکھیں - اس کی اردو تصانیف حسب ذیل ہیں :

Introduction to Hindustani, Calcutta Baptist Mission Press, 1827.

Hindustani English Dictionary, Calcutta Baptist Mission Press, 1847.

اس کے علاوہ اس نے سکول کے بچوں کو پڑھانے کے لیے ایک کتاب The pleasing instructor کا اردو ترجمہ کیا جو کلکتہ سکول بک سوسائٹی نے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا - اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن نکلے -[1]

——علی سردار جعفری نے پروفیسر آل احمد سرور (علی گڑھ یونیورسٹی) کے نام ایک خط میں ایک انگریز افسر "ولیم کولڈ سٹریم" کا ذکر کیا ہے جس کے پاس غالب کی بعض تحریریں تھیں[2] - یہ غالب کے زمانے میں دہلی میں تعینات تھا - ولیم کولڈ سٹریم انجمن پنجاب کی صنعتی کمیٹی کا ممبر بھی تھا - چنانچہ انجمن مذکور کی ۱۸۸۲ - ۱۸۸۳ء کی رپورٹ میں صنعتی کمیٹی کے ممبران کی فہرست میں اس کا نام شامل ہے[3] - اس کا انتقال ۱۹۲۰ میں ہؤا - اس کا بیٹا جو "ہل کولڈ سٹریم کے

۱- دیکھیے - شانتی رنجن بھٹاچاریہ - بنگال کے یورپین مصنفین اردو ، ماہنامہ 'آجکل' - دہلی - اپریل ۱۹۶۷ء - (بحوالہ صحیفہ لاہور - جولائی ۱۹۶۷ء) -

۲- دیکھیے - 'قومی زبان' - کراچی - یکم مئی ۱۹۶۰ء -

۳- دیکھیے "انجمن پنجاب کے مقاصد اور قواعد" - 'صحیفہ' ، لاہور ، جولائی ۱۹۶۷ء ، صفحہ ۹۳ -

نام سے مشہور تھا انڈین سول سروس میں تھا"۔ بل کا بیٹے جان کولڈسٹریم کا سراغ ۱۹۲۹ء تک ملتا ہے۔ وہ دوسری جنگ کے ابتدائی معرکوں میں زخمی ہو کر پیرس چلا گیا اور وہاں کی یونیورسٹی میں علمی کام کرنے لگا۔

——انڈیا آفس لائبریری ۱۸۰۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس وقت اس میں تقریباً ڈھائی لاکھ مطبوعہ کتابیں اور اکیس ہزار مخطوطے ہیں۔ ان میں آٹھ ہزار تین سو سنسکرت کے، چار ہزار آٹھ سو فارسی کے، تین ہزار دو سو عربی کے، دو سو ستر اردو کے اور ایک سو ساٹھ ہندی کے مخطوطات ہیں۔

——کیمبرج میں اردو کی تعلیم کے لیے پروفیسر آربری نے کوشش کی تھی[1]۔ چنانچہ ان کے ایک خط کا ترجمہ **قومی زبان** کراچی کے شمارہ یکم مئی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں آربری صاحب لکھتے ہیں۔

اس توسیع تعلیم کے لیے اب جن تدابیر کی فوری ضرورت پڑے گی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کیمبرج میں اردو کو درسی اور تحقیقاتی مضمون کے طور پر داخل نصاب کیا جائے۔ یہ تجویز عمل میں آگئی تو جامعی طلبہ کے واسطے پہلی دفعہ یہ ممکن ہو جائے گا کہ "ٹرائی پوس" کے امتحانوں میں اردو لے سکیں، اور پاکستان و ہند کے اسلامی تمدن کا امدادی مضمون کے طور پر عمومی مطالعہ کر سکیں۔"

آخر میں اردو زبان کی کتابوں کے عطیات کی درخواست کرتے ہوئے آربری لکھتے ہیں۔ •

۱- پروفیسر آربری سے میری ملاقات ۱۹۶۴ء میں کیمبرج میں ہوئی۔ اس ملاقات میں بھی اردو کا ذکر آیا تھا جس کا ذکر میں ایک کتاب میں کر چکا ہوں۔ دیکھیے "پروفیسر آربری سے ایک ملاقات۔" '**یورپ میں تحقیقی مطالعے**'۔ لاہور۔ مجلس ترقی ادب۔ ۱۹۶۷ء۔

''مجھے کامل یقین ہے کہ جامعہ کیمبرج کے لیے اردو کتابیں عطا کرنے کی یہ درخواست بھی ان حضرات کی چشم التفات سے محروم نہ رہے گی جنھیں اس بات پر ناز ہے کہ ملتِ اسلامی اور دنیا کے ذوق سلیم اور ادب کو بنانے میں زبان اردو بھی حصہ دار ہے۔''

چیکوسلوواکیہ

چیکوسلوواکیہ[1] میں اردو زبان کی تعلیم کے لیے سب سے پہلے مشہور چیک مستشرق اوتاکر پرتولود (Otakar Partold۔ ولادت ۱۸۸۴ع) نے اقدامات کیے۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل ہی پروفیسر موصوف نے کوشش شروع کر دی تھی کہ ہندوستان کی زبانوں کو یونیورسٹی کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ پروفیسر پرتولود دو مرتبہ ہندوستان آئے۔ پہلی مرتبہ ۱۰-۱۹۰۹ع میں وہ خود اپنے خرچ پر ہندوستان آئے اور دوسری مرتبہ ۱۹۱۹ع میں جمہوریہ چیکوسلوواکیہ کے پہلے قونصل جنرل کی حیثیت سے تین سال تک بمبئی میں قیام پذیر رہے۔ اس عرصے میں انھوں نے کئی ہندوستانی زبانیں سیکھیں اور واپس چیکوسلوواکیہ جاکر اردو (ہندوستانی) زبان کی تدریس کی ابتدا کی۔ سب سے پہلے ۱۹۲۳ع میں وہ ماسرک انسٹی ٹیوٹ (Masaryk' Institute) میں اور اس کے بعد ۱۹۲۷ع میں کمرشل کالج میں اردو اور ہندی کے استاد مقرر ہوئے۔

لسانیات میں موصوف کا سب سے اہم کام ''مبادی ہندوستانی'' (Ucebnic Hindustani) ہے جو ۱۹۳۱ع میں پراگ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں چوبیس سبق رومن رسم الخط میں ہیں۔ دیوناگری پر ایک

۱- چیکوسلوواکیہ میں اردو کی تعلیم کے بارے میں میں نے مشہور مستشرق اور پراگ یونیورسٹی کے مشرق علوم کے ادارے کے پروفیسر یان مارک کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کے جواب میں پروفیسر موصوف نے مجھے ایک مفصل نوٹ ارسال فرمایا جس سے میں نے اس مضمون میں استفادہ کیا ہے۔

مختصر مقدمہ اور نو اردو اسباق شامل ہیں ۔ یہ کتاب نہ صرف چیکوسلوواکیہ میں بلکہ بعض دیگر ممالک میں بھی اردو زبان کی تدریس کے لیے استعمال کی جاتی تھی ۔

اس کتاب کے کچھ عرصے بعد چیک اور ہندوستانی زبان کے دو مختصر لغات شائع ہوئے ۔ ایک ہندوستانی سے چیک زبان کا اور دوسرا چیک سے ہندوستانی زبان کا ۔ یہ لغات ژان تولور (Jan Tolar) اور ایڈالف پانز (Adolf Panz) نے مرتب کیے تھے اور پراگ سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئے ۔ ہندوستانی روزمرہ بول چال کی ایک اور کتاب موسومہ "ہندوستانی روزمرہ" Hindustani Rozmarrah پروفیسر پرتولد (Pertold) نے تالیف کی اور ایک مشرقیات کے ماہنامے "نوی اوریان" (Novy Orient) میں بالاقساط شائع ہوتی رہی ۔ اس کتاب میں ہندوستانی گرامر اور ہندوستانی میں روزمرہ گفتگو کے لیے کئی اسباق شامل ہیں ۔

دوسری عالمی جنگ میں نازی جرمنی قبضہ کے دوران چیکوسلوواکیہ کی یونیورسٹیاں بند رہیں ۔ جنگ کے بعد ہندوستانی علوم کے شعبوں میں جدید ہندوستانی زبانوں کی تعلیم پھر شروع ہوئی ۔ سب سے پہلے پراگ کی شارل (Charles) یونیورسٹی نے اعلیٰ پیمانے پر ہندی اور اردو کی باقاعدہ تعلیم کا نصاب شروع کیا ۔ شارل یونیورسٹی یورپ کی قدیم یونیورسٹیوں میں سے ہے ۔ یہ یونیورسٹی ۱۳۴۸ء میں قائم ہوئی تھی ۔ اردو اور ہندی زبانوں کی تدریس کا کام پروفیسر ونسانک پورز کا (Vincenec PorizKa) کے سپرد ہوا ۔ پروفیسر پورز کا ہندی اور اردو کی گرامر، تاریخ ادب 'متن' وغیرہ پر لیکچرز دیتے تھے اور تحقیق کے سمینار کورس کے ناظم بھی تھے ۔ پروفیسر موصوف کا تعلق ہندی اور اردو زبانوں کی تدریس سے ۱۹۴۲ء میں قائم ہوا جب وہ مشرق ادارہ (Oriental Intsitute) کی شام کی جماعتوں کو پڑھایا کرتے تھے ۔ پروفیسر پورزکا نے گرامر اور دیگر لسانی مسائل کا

گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کی تحقیق اور تبحر علمی سے ان کے کئی شاگرد مستفیض ہوئے ہیں -

پروفیسر پورز کا کے شاگردوں میں پروفیسر یان مارک (Jan Marek) کا نام سر فہرست ہے - یان مارک (ولادت ۱۹۳۱ع) آج کل مشرق ادارے کے جنوبی ایشیا کے شعبے میں محقق (Research Scholar) کے عہدے پر فائز ہیں - موصوف نے ۱۹۵۵ع میں اقبال کے مجموعہ "ضرب کلیم" کے تجزیے پر ایک مقالہ پیش کیا اور اس کے بعد یونیورسٹی کی اعلیٰ سند کے لیے اقبال کی حیات اور تصنیفات پر ایک گران قدر مقالہ پیش کیا - یان مارک فارسی زبان وادب پر بھی اچھی دسترس رکھتے ہیں - انھوں نے ہندوستان میں فارسی تصنیفات کی تاریخ پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ، جو فارسی اور تاجک ادبیات کی تاریخ مؤلفہ یان رپکا (Jan Rypka) میں شامل ہے - یہ کتاب چیک زبان میں ہے اور ۱۹۶۳ع میں شائع ہوئی - اس کا انگریزی ترجمہ لائڈن (Ley Den) میں زیر طبع ہے - پروفیسر یان مارک اور بھی کئی مقالوں اور کتابوں کے مصنف ہیں جن کی فہرست اس مضمون کے آخر میں دی گئی ہے -

پروفیسر یان مارک نے غالب کا بھی وسیع مطالعہ کیا ہے - میں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ انھوں نے غالب کا مطالعہ کب اور کیسے شروع کیا اور غالب کی نثر اور شاعری کے بارے میں ان کے کیا تاثرات ہیں - پروفیسر صاحب نے جو جواب مجھے لکھا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے[1] :

میں نے غالب کے کلام کا مطالعہ اس وقت شروع کیا جب

۱- یہ اقتباس میرے مضمون "یورپ میں غالب کا مطالعہ" میں شامل ہے ، "جو افکار" کے "غالب نمبر" (فروری ، مارچ ۱۹۶۶) میں شائع ہوچکا ہے -

میں کارولین یونیورسٹی پراگ میں اردو کورس کا طالب علم تھا ۔ غالب کا مطالعہ ہمارے کورس میں لازمی نہیں تھا لیکن ہم دو طالب وہ میں اور مسز ہیش منووا غالب کے مطالعے میں شرکت کرتے تھے کیونکہ ہمیں اردو کی کلاسیکی شاعری سے خاص دلچسپی تھی ۔ ہمارے استاد ایک ہندوستانی مسلمان ڈاکٹر مسعود علی خان تھے جو بھوپال کے رہنے والے تھے ۔ وہ آج کل ماسکو میں ایک اخبار کے نامہ نگار ہیں ۔ ڈاکٹر مسعود علی صاحب اردو کلاسیکی شاعری پر پورا عبور رکھتے تھے ۔ انھیں بہت سی غزلیات زبانی یاد تھیں اور وہ اشعار کے معانی سے خوب واقفیت رکھتے تھے ۔ میں اس کا اعتراف کروں گا کہ پہلے میں غالب کے اشعار کو بالکل نہ سمجھ سکا ۔ غالب کی زبان تو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھی ۔ میں انفرادی طور پر لفظ کے معنی اچھی طرح سمجھ لیتا تھا ، لیکن پورے جملے یا بیت کا اصل مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا ۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ محرومی زیادہ عرصے تک باقی نہیں رہی ۔ دو تین ہفتوں میں ہم غالب کی غیرمانوس تشبیہات اور رموز سے واقف ہوگئے ۔

غالب ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم اور اوسط درجے کے شہریوں میں کافی مقبول ہیں ۔ لیکن میں نے کسی عام آدمی کو غالب کے اشعار پڑھتے نہیں سنا ۔ حالانکہ میں کئی بار ہندوستان اور پاکستان جا چکا ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں ایسا ہونا ایک فطری امر ہے ۔ غالب کی شاعری کو اچھی طرح سمجھنا عام آدمی کے لیے مشکل ہے ۔ غالب کو عجیب اور غیرمعمولی الفاظ کا استعمال پسند تھا ۔ جب میں نے بعد میں فارسی شاعری کا مطالعہ کیا تو میرے اس خیال

کی تائید ہوئی ۔ اس لیے ایک لحاظ سے غالب کی فارسی شاعری کو اردو شاعری پر فوقیت حاصل ہے ۔ خالص ادبی نقطۂ نظر سے اردو شاعری کے مقابلے میں ان کا فارسی شاعری کا پلڑا بھاری تھا ۔ ان کی مشکل زبان اور غیرمانوس تشبیہوں کی وجہ سے ان کی شاعری کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے میں شدید مشکلات حائل تھیں ۔ غالب کو انیسویں صدی کے پہلے نصف کا بہترین اور اہم شاعر سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن ان کے کلام کے یورپی زبانوں میں بہت کم تراجم ہوئے ہیں اور جو ترجمے کیے بھی گئے ہیں وہ زیادہ تر یا تو محض خیال آرائیوں پر مبنی ہیں یا غزل کے قافیے اور ردیف کے ظاہری حسن وخوبی پر طویل اور اکتا دینے والی بحثیں ہیں ۔ غالب کی شاعری کا ایک اچھا جائزہ ایک کتاب میں ملتا ہے جو حال ہی میں تاجکستان سے شائع ہوئی ہے ۔ اس کتاب کا نام (-Hayatva Godiyat e-Mrzo Asaddulla Golib) اور اس کے مصنف عبداللہ جان غفوروف (Abdulla Jan Gafhorov) ہیں ۔ یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی اور اس میں ۱۵۲ صفحات ہیں ۔ آج کل ہم اپنے طالب علموں کے لیے یہی کتاب تجویز کرتے ہیں ۔

غالب پر پروفیسر یان مارک کا ایک مضمون اردوئے معلیٰ دہلی کے غالب نمبر فروری ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون سے ایک مختصر اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے ۔

”یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب سے ہمیں اس قدر شدید محبت کیوں ہوگئی ۔ اس کا واحد جواب ہمارے پاس

یہ ہے کہ غالب کی عظیم شخصیت اور اس کے وجد آفریں
اشعار نے ہمارے دل و دماغ پر جادو سا کر دیا - غالب زندگی
کے حقائق سے ''آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں -
ان کے کلام میں نشاط اور الم کی سچی تصویریں ملتی ہیں''

پروفیسر پورزکا کی ایک اور نامور شاگرد مادام ملینا ہبش منووا (Milena Mubochmannova) ہیں جو آج کل چیکوسلوواکیہ کے ریڈیو سے متعلق ہیں - موصوفہ نے سردار جعفری ، کیفی اعظمی، ساحرلدھیانوی اور دیگر ترقی پسند شعرا کی نظموں کا ترجمہ کیا ہے - اس کے بعد انھوں نے سردار جعفری کی مشہور نظم ''ایشیا جاگ اٹھا'' کے تجزیے پر ایک مقالہ قلم بند کیا ہے - مادام منووا نے مجھے ایک خط مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۶۶ء میں لکھا کہ انھوں نے کوئی دس سال ہوئے ، غالب کی چالیس پچاس غزلوں کا ترجمہ کیا تھا لیکن ابھی اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی -

چیک ادیبوں کے علاوہ ہندوستان کے ایک اہل قلم نے بھی چیکوسلوواکیہ میں رہ کر اردو کی خدمت کی ہے - نصیر احمد زبیری صاحب براتسلاوا میں رہتے ہیں - ان کے تراجم وغیرہ اس مضمون کے آخر کی فہرست میں شامل ہیں - ان کے علاوہ موصوف نے کرشن چندر کی کہانی ''داورپل کے بچے'' اور احمد عباس کی 'چار دل چار راہیں' کا ترجمہ سلوواک زبان میں کیا ہے - زبیری صاحب نے سعادت حسن منٹو کی کہانی 'ہتک' کو ڈرامے کی شکل دے کر براتسلوا کے ٹیلی ویژن پر پیش کیا جو بہت کامیاب رہا - انھوں نے کئی سلوواک ناولوں ، کہانیوں اور ڈراموں کے ترجمے اردو میں کیے ہیں جو شائع ہوچکے ہیں -

چیکوسلوواکیہ مشرقی زبانوں (جن میں اردو بھی شامل ہے) کی تعلیم اور تحقیق کا ایک اہم مرکز ہے - ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ ، معاشیات، فلسفہ ، ادب وغیرہ پراگ اور دیگر مقامات پر تعلیم

اور تحقیق کے ادارے موجود ہیں جہاں لیکچر اور سمینار کے ذریعے ان علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پراگ یونیورسٹی میں اردو میں چار پانچ طالب علم ہر سال زیر تعلیم ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی کے علاوہ بعض مقامات پر شام کے وقت اردو کی تعلیم کا انتظام ہے۔ ان اداروں سے عموماً ایسے محققین فائدہ اٹھاتے ہیں جو علمی کاموں کے لیے ہندوستان یا پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تراجم اور مقالات کی فہرست دی جاتی ہے جو اردو زبان وادب سے متعلق چیکوسلوواکیہ میں شائع ہوئے ہیں:

اردو سے چیک زبان میں تراجم

۱۔ عباس خواجہ احمد ۔ ''کہتے ہیں جس کو عشق Coje laska

By Nasir Ahmad Zoberi and Michal Nadubinsky

Bratislava, vydavatelstvo krasnej literatury 1959.

۲ ۔ کرشن چندر ۔ ''دل کی وادیاں سوگئیں'' Udolia srdc zaspali

By Nasir Ahmad Zoberi and Jozef Bob-Illustrated by Hekmina Melicharova.

Bratislava, Slovensky spisovatel 1960.

Bratislava, vydavatelstvo krasnej literatury 1959.

Uplinkova woc a jine indicke povidky-By Jan Marek.

Praha, Mlada fronta 1957.

Budem ta cakat. ''میں انتظار کروں گا''

By Nasir Ahmad Zoberi, M. Nudubinky. T. Vilikovsky.

Bratislava, Slovensky vydavatelstvo krasnej lit. 1962.

۳۔ فیض احمد فیض ۔ ''نقش فریادی'' اور Zalujici obraz
دیگر (منظوم ترجمہ)

By Jan Marek, Versified by kamil Bednar.

Praha, statni nakladatelstvi krasnej literatury, hudby a umeni 1961.

Ruka Vauku. ''دست صبا اور دیگر''

By Nasir Ahmad Zoberi, Jan Simonvic.

Poselstvi Vychodu ۴۔ اقبال ، محمد ''پیام مشرق''

By Jan Marek and kamil Bednar.

Illustrated by Miloslav Yroup.

Praha, Nakladatelstvi Ceskoslovenske akademic ved 1960.

Melodie ۵۔ مجاز ، اسرارالحق ۔ ''آہنگ''

By Nasir Ahmad Zoberi and Jan Majernik.

Bratislava, Vydavatelstvo krasnej literatury 1960.

Sen o rane ''خواب سحر''

Selections from modern Urdu literature by Nasir Ahmad Zoberi, Jan Majernik and Jan kosha. Bratislava, Slovensky Spisovotel 1959.

Pribehy ctyr dervisu ۶۔ میرامن دہلوی ۔ ''باغ وبہار''

By Jan Marek.

Praha, Mlada fronta 1963.

۷۔ راجندر سنگھ بیدی ۔

Spinava Plachta ''ایک چادر میلی سی''

Revue svetovej literatury, Bratislava

1965/2, PP. 188-217, Illustrated by Maria Zelibska.

مقالات جو ۱۹۵۳ع سے اب تک پیش کیے گئے

''ہم وحشی ہیں''

R. Jindrova : کرشن چندر کی کہانی کا تجزیہ

''اور انسان مر گیا'' ہندی ناول کا تجزیہ	O. Smekal :
پریم چند کی ، عورتوں پر	
ایک مختصر کہانی کا تجزیہ	H. knizkova :
ڈاکٹر محمد اقبال کی کتاب 'ضرب کلیم' کا تجزیہ	J. Marek :
علی سردار جعفری کے منظوم کلام	
'ایشیا جاگ اٹھا' کا تجزیہ	M. Hubschmannova :

فرانس

پیرس میں مشرقی علوم کا ادارہ

فرانسیسی ادب اور ثقافت پر مشرقی زبانوں کے اثرات قرون وسطیٰ بلکہ اس سے بھی پہلے شروع ہو چکے تھے لیکن سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں یہ اثرات بہت نمایاں نظر آتے ہیں[1] ۔ چنانچہ سترھویں صدی میں فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم نے مشرقی زبانوں کی تعلیم کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کے وزیر اعظم کالبیر[2] (Colbert) نے قانون مجریہ ۱۸ نومبر ۱۶۶۹ء کے ذریعہ یہ فیصلہ نافذ کیا کہ ہر سال نو دس سال عمر کے چھ فرانسیسی لڑکوں کو مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے استنبول اور سمرنا بھیجا جائے ۔ ان لڑکوں کو 'زبانوں کے لڑکے' (Jeunes de Langues) کہا جاتا تھا ۔ یہ لقب در اصل ترکی زبان کے الفاظ

۱۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے فرانسیسی ادب پر مشرقی اثرات کے موضوع پر ایک گراں قدر تصنیف و مقالہ ہے جو پیرمارتینوں (Pierre Martino) نے پیرس یونیورسٹی میں پیش کیا ۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں بہ عنوان L'Orient dans la Literature Francaise du XVJI et XVIII Siecle ۱۹۰۶ء میں لبریری آشت (Librarie Hachetet) کی طرف سے پیرس میں شائع ہوا ۔

۲۔ کالبیر (Colbert) [۱۶۱۹-۱۶۸۳ء] فرانس کی تاریخ میں بہترین وزرائے اعظم میں شمار ہوتا ہے ۔ اس نے ملک کی انتظامیہ ، مالیہ ، تعلیم اور دیگر شعبوں میں جو انقلاب آفریں اصلاحات کیں ان کے اثرات فرانس کے نظام حکومت میں اب تک پائے جاتے ہیں ۔

(Dil Oglam) سے لیا گیا تھا[1] - ان لڑکوں کو سمرنا اور استنبول میں کاپوسین مشنریوں کے مدرسوں میں ترکی ، عربی ، فارسی وغیرہ کی تعلیم دلائی جاتی تھی - اس تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ انھیں اسلامی ممالک میں مترجموں کی حیثیت سے یا سفارتی عہدوں پر مقرر کیا جائے - ان لڑکوں کو ترکی اور فرانس میں تربیت دی جاتی تھی اور اس کے لیے کالبیر کے حکم سے ایک علاحدہ مدرسہ موسومہ 'زبانوں کے لڑکوں کا مدرسہ' (Ecole des jeunes de Langues) قائم کیا - یہ مدرسہ انیسویں صدی کے شروع تک قائم رہا اور اس کے بعد مشرقی زبانوں کے اس مدرسہ میں ضم ہو گیا جس کا اس مضمون میں کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا جائے گا -

مشرقی زبانوں کا مدرسہ

انقلاب فرانس میں بیشتر وہ ادارے اور مدرسے ختم کر دیے گئے جن کی تاسیس فرانس کے بادشاہوں نے کی تھی لیکن علوم شرقیہ کی تحصیل کو انقلاب کے ارباب حل و عقد نے بھی محسوس کیا اور فرانس کے جمہوریہ بننے کے تین سال بعد انقلابی حکومت کے حکم مجریہ ۳۰ مارچ ۱۷۵۹ع کے تحت وہ مدرسہ قائم کیا گیا جس نے گزشتہ ایک سو اکہتر سال میں مشرقی زبانوں ، ادب ، ثقافت اور تاریخ کی خدمت انجام دے کر عالمگیر شہرت حاصل کر لی ہے - اس مدرسہ کی مفصل

۱- یہ الفاظ دراصل ترکی زبان کے الفاظ Dil oglam کا ترجمہ ہیں - ترکی زبان کے ان الفاظ کے معنوی زبان کے بچے ہیں -

تاریخ پروفیسر ژیں دینی (Zean Deny) نے لکھی ہے[1]۔ اس مضمون میں پروفیسر دینی کی کتاب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

اس مدرسے کے قیام کا سہرا ایک فرانسیسی مستشرق لوئی لانگلے (Louis Langle's) کے سر ہے۔ لانگلے (۱۷۶۳-۱۷۲۴) عربی اور فارسی زبانوں کا عالم تھا۔ اس نے ۱۷۹۰ء میں حکومت کے سامنے تجویز پیش کی کہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے پیرس دوسار سیے میں ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ اس نے یہ تجویز ایک مضمون کے ذریعے پیش کی جس کا عنوان تھا ''تجارت کے فروغ ، ادب اور سائنس کی ترقی کے لیے مشرقی زبانوں کی اہمیت''۔ اس عرضداشت پر قومی اسمبلی نے خاطر خواہ توجہ نہ کی لیکن لانگلے مایوس نہیں ہوا۔ ۱۷۹۲ء میں وہ پیرس کے قومی کتب‌خانے بیلیوتک ناسیونال میں شعبۂ مخطوطات کا نائب نگران مقرر ہوا۔ یہ عہدہ سنبھالتے ہی اس نے مشرقی زبانوں کا مدرسہ قائم کرنے کی کوشش پھر شروع کر دی اور قومی حکومت کی تعلیمی کمیٹی کے صدر لاکا نال (Lakanal) کو مدرسہ قائم کرنے کی تجویز میں اپنا ہم خیال بنا لیا اور آخرکار قومی حکومت نے ۳۰ مارچ ۱۷۹۵ء کو مشرقی زبانوں کا مدرسہ پیرس میں قائم کرنے کی تجویز پر عمل درآمد کرنے کا حکم دے دیا۔

اس حکم کے فرانسیسی متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

۱- ملاحظہ ہو :

Jean Deny L'Ecole Nationale des Langues Orient-Imprimerie Nationale de France مطبوعہ پیرس ۱۹۴۸ء ales Vivantes.

یہ کتاب مدرسہ کی تاسیس کے ڈیڑھ سو سالہ جشن کے موقع پر مرتب کی گئی تھی۔ پروفیسر ژین دینی اس وقت مدرسہ کے ایڈمنسٹریٹر تھے۔

قومی کتب خانہ میں مشرقی زبانوں کا خصوصی مدرسہ

قانون

منظوری دی جاتی ہے کہ قومی کتب خانہ کے احاطے میں ایک مدرسہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے قائم کیا جائے۔

مؤرخہ ۱۰ ژار مینال سال سوم (مطابق ۳۰ مارچ ۱۷۹۵ع) جمہوریہ فرانس واحد و ناقابل تقسیم

قومی حکومت نے مجلس تعلیم اور مجلس مالیات کی تجویز پر غور کرنے کے بعد حکم دیا ہے کہ

۱- قومی کتب خانہ کے احاطے میں ایک عوامی مدرسہ قائم کیا جائے، جس میں مشرقی زبانوں کی تعلیم دی جائے اور اس تعلیم میں سیاسی اور تجارتی ضروریات کو بھی مد نظر رکھا جائے۔

۲- مدرسے میں حسب ذیل پروفیسر تعلیم دیں گے :

(۱) ادبی اور عوامی عربی زبان کا پروفیسر

(۲) ترکی اور کریمیا کی تاتاری زبان کا پروفیسر

(۳) فارسی اور ملایا کی زبان کا پروفیسر

۳- پروفیسر کے تقرر اور تنخواہوں کے قواعد وہی ہوں گے جو مرکزی مدرسے کے پروفیسروں کے لیے ہیں اور جن کی صراحت قانون مجریہ ۷ وینتوز میں کی گئی ہے۔

۴- مشرقی زبانوں کے مدرسے میں پولیس کے قوانین کی تعمیل کی

ذمہ داری مجلس تعلیم پر ہوگی ۔؎

دستخط :۔ایس ۔ ای ۔ مونل

پہلے (صدر)

یہ حکم مارچ ۱۷۹۵ء کو صادر کیا گیا اور دوسرے سال ۲۲ جون ۱۷۹۶ء سے مدرسے میں مشرق زبانوں کی تعلیم کا آغاز ہوگیا ۔ تعلیم کے آغاز کے لیے جو حکم صادر ہؤا اس کے فرانسیسی متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

حسب قانون محولہ بالا مشرق زبانوں کی تعلیم کا کورس قومی کتب خانہ کے قریب ۳ میسی دور سال چہارم (مطابق ۲۲ جون ۱۷۹۶ء) سے شروع ہوگا ۔

معزز شہری لانگلے رکن مجلس سائنس فارسی زبان کے اس کورس کو جاری رکھیں گے جو انھوں نے کاٹر و فرانس میں شروع کیا ہے ۔ وہ پہلے تیمور کے فوجی اداروں کے بارے میں تفصیلات بیان کریں گے؎

۱- پروفیسر ژین دبنی نے اپنی کتاب (بحوالہ ماسبق) میں حسب ذیل دو مزید دفعات کا ذکر کیا ہے :

(ا) پروفیسر صاحبان اپنے شاگردوں کو ان سیاسی اور تجارتی روابط اور تعلقات سے روشناس کرائیں گے جو جمہوریہ، فرانس اور ان ملکوں کے درمیان قائم ہیں جہاں یہ زبانیں بولی جاتی ہیں ۔

(ب) پروفیسر صاحبان ان زبانوں کی گرامر مرتب کریں گے جن کی وہ تعلیم دیتے ہیں ۔ یہ کتابیں قومی مجلس تعلیم کو پیش کی جائیں گی ۔

۲- اس سے امیر تیمور کی کتاب موسومہ ''توزکات تیمور صاحبقران فی تدبیرات کنکاشہا'' مراد ہے ۔ اس کتاب کا درس کم از کم پانچ سال تک جاری رہا ۔ کیونکہ ۱۸۰۱ء میں مدرسے کے کورس کے بارے میں جو اعلان ژین دبنی (بحوالہ ماسبق) کی کتاب میں شامل ہے اس میں بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے ۔

اور اس کے بعد ان مذاکرات کا ذکر کریں گے جو شاہ رخ شہنشاہ ایران اور دے منگ شہنشاہ چین کے درمیان سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم کرنے کے بارے میں ہوئے۔

معزز شہری سل دسترساسی بھی انھی دنوں میں عربی زبان کے درس دیں گے - اس زبان کے بنیادی قواعد بیان کرنے کے بعد وہ قرآن کے چند ابواب کی شرح بیان کریں گے اور اس کے بعد کلیلہ کے مخطوطات میں سے کچھ کہانیاں سنائیں گے -

ترکی زبان کا کورس بھی جلد شروع کر دیا جائے گا اور اس کا اعلان علیٰحدہ کیا جائے گا -

دستخط :- بی نیش "

اس مدرسے نے جلد مقبولیت حاصل کر لی - فرانس کے متعدد معزز خاندانوں کے افراد نے اس مدرسے سے فیضان حاصل کیا - مدرسے کے جن اساتذہ نے مشرق ادب اور تاریخ کے گراں بہا تحقیقی کارنامے انجام دیے ان میں عربی کے پروفیسر سلوستر دساسی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے - پروفیسر دساسی عربی ادب کے فاضل تھے - انھوں نے عربی قواعد پر ایک جامع کتاب لکھی اور قرآن حکیم کا درس ان کے تعلیمی نصاب کا ہمیشہ ایک اہم جزو رہا - پروفیسر لانگلے کے بعد ١٨٢٤ع میں دساسی مدرسے کے ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے اور تا دم آخر ١٨٣٨ع تک اس عہدے پر فائز رہے - یہ موصوف ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ١٨٢١ع میں مشرق زبانوں کے مدرسے میں اردو زبان کی تعلیم کے لیے ایک پروفیسر کا عہدہ قائم کیا گیا اور اس پر گارسیں دساسی کا تقرر ہوا -

پیرس میں مشرق زبانوں کے مدرسے میں اردو زبان کے پروفیسر کا عہدہ ١٨٢٨ع میں قائم کیا گیا اور اس پر گارسیں دتاسی کا تقرر ہوا - اس سے پہلے کہ گارسیں دتاسی کی تدریس اور تصنیفات کے بارے میں

تحریر کیا جائے چند ایسے امور کا مختصراً ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق اُس دور اور ان حالات سے ہے جن کے پس منظر میں اردو زبان کے پروفیسر کا پیرس میں تقرر ہؤا۔

گزشتہ شمارے کے مضمون میں پروفیسر لانگلے کا ذکر کیا جا چکا ہے جنھوں نے مشرقی زبانوں کے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ پروفیسر لانگلے جن زبانوں سے واقف تھے ان میں اردو بھی تھی۔ چنانچہ گارسیں دتاسی نے اپنے ۱۸۷۵ع کے مقالے میں لکھا ہے کہ جب وہ ۱۸۱۷ع میں پیرس آئے تو انھوں نے پروفیسر لانگلے کے کتب خانے میں ہندوستانی کی اولین کتابیں دیکھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو زبان کی پروفیسری قائم ہونے سے بہت پہلے فرانسیسی مستشرقین اردو میں دلچسپی رکھتے تھے۔ پروفیسر لانگلے کے بارے میں حسب ذیل اقتباس ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سے نہ صرف پروفیسر لانگلے کی علمی خدمات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اس حقیقت پر بھی کہ اُس زمانے میں جبکہ برصغیر ہند و پاکستان میں برطانوی اقتدار ترقی کر رہا تھا اور فرانسیسیوں کو سیاسی اعتبار سے کوئی خاص دلچسپی اس ملک سے نہیں رہی تھی اس کے باوجود فرانس کی حکومت اور مستشرقین مشرقی زبانوں اور ہندوستان سے باخبر رہنا کتنا ضروری خیال کرتے تھے۔ یہ اقتباس اس اعلان کی تمہید سے لیا گیا ہے جو پروفیسر لانگلے کے درسی پروگرام کے بارے میں شائع کیا گیا تھا۔ فرانسیسی متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

> "معزز شہری لانگلے عرصہ سے ہم پر واضح کرتے رہے ہیں کہ سیاسی اور تجارتی مقاصد کے لیے مشرقی زبانوں کے مطالعے کی کیا اہمیت ہے۔ ان کے خیال میں چھ زبانیں اہم ہیں: عربی، ترکی، فارسی، ملایائی، مور، یا ہندوستانی اور تاتار مانچوی جسے چینی زبان کے بجائے سیکھا جا سکتا ہے۔ مصنف موصوف نے اپنے نہایت مفید نظریات دستور ساز اسمبلی کے

اس خطبے میں بیان کیے ہیں جو ۱۷۹۰ع میں شائع ہو چکا ہے ۔ ان کا مقالہ ایشیائی اور بربری قوموں کی طاقت کا ایک حقیقت پسندانہ تصور پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ان مختلف حکومتوں سے فرانس کی جمہوریہ کو کیا مدد مل سکتی ہے اور یہ کہ ان ملکوں سے تعلقات قائم رکھنے کے لیے اور سفارتی عہدوں پر کام کرنے کے لیے مشرق زبانوں سے واقفیت کتنی ضروری ہے ۔ سب سے زیادہ ہندوستان ہمارے شریک کار کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتا ہے ۔ وہ (پروفیسر لانگلے) اس راستے کی طرف آنے کا اشارہ کرتے ہیں جو مصر کے راستے کسی زمانے میں فرانس نے اختیار کیا تھا ۔ چاہے اس کا مقصد تجارت ہو چاہے ان غلطیوں سے سبق سیکھنا جو انگریزوں نے (ہندوستان میں) کی ہیں ۔ وہ چاہتے ہیں کہ قومی کتب خانہ کے قریب مشرقی زبانوں کے خصوصی مدرسے میں کچھ مزید عہدے قائم کیے جائیں ۔ تجارتی اور سیاسی دونوں مقاصد کے پیش نظر یہ ضروری ہے ۔''

اس اقتباس میں اٹھارھویں صدی کے فرانس کے فکر و نظر کے جن گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اس کا اندازہ اہل نظر خود کرسکتے ہیں ۔ ہمارے موضوع کے لیے اہم بات یہ ہے کہ اردو زبان کی اہمیت انقلاب فرانس کے فوراً بعد ہی محسوس کی جانے لگی تھی اور اس زبان کو مشرق ممالک کی اہم زبانوں میں شمار کیا جاتا تھا ۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا

۱- ملاحظہ ہو :

''Memoires del' Institute National des Sciences et arts. Litterature et Beaux—Arts.

جلد چہارم مصنفہ ولار **Villar** بحوالہ **Jean Deny** L'Ecole Nationale des Langues Orientales Vivantes'' صفحہ ۳۸

اس زبان کی اہمیت بڑھتی گئی ۔ لانگلے کے بعد جب سلوستر دتاسی مشرق زبانوں کے مدرسے سے متعلق ہوئے تو انہوں نے بھی اسکی اہمیت پر زور دیا ۔ پروفیسر میل لکھتے ہیں کہ سلوستر دتاسی کی رائے میں کلاسیکی مشرقیت کے نقطۂ نظر سے مشرق زبانوں کے مدرسے کے پروگرام کی تکمیل اور زبان کی تدریس ہی سے ہو سکتی ہے[1] ۔

اردو زبان کو نہ صرف مشرق کی اہم زبانوں میں شامل کیا گیا بلکہ بعض اہم مشرقی زبانوں پر بھی اردو کو فوقیت حاصل ہو گئی ۔ چنانچہ پروفیسر میل لکھتے ہیں کہ ۱۸۳۹ع میں پروفیسروں کی اسمبلی نے چینی اور ملایائی زبانوں کو جنھیں مشرق کی اہم زبانوں میں شمار کیا جاتا تھا مدرسے کے نصاب کے لیے غیر ضروری سمجھا لیکن :

> ''اس کے برخلاف ہندوستانی زبان کو نصاب میں شامل رکھے جانے کی خود مدرسے کی طرف سے تائید کی گئی ۔ غالباً اس لیے کہ (یہ زبان) اسلامی تہذیب کی روایات کے زمرے میں شامل تھی اور اسلامی دنیا سے مراسم قائم کرنے کے لیے ضروری خیال کی جاتی تھی[2] ۔

۱۸۲۸ع میں مشرق زبانوں کے مدرسے میں اردو کی تعلیم کی ابتدا ہوئی اور ۱۸۳۰ع میں باقاعدہ پروفیسر کا عہدہ اس زبان کی تدریس کے لیے قائم کیا گیا ۔ اردو زبان کو داخل نصاب کرنے کی بعض حلقوں میں مخالفت بھی ہوئی ۔ جس کی مثال دیو شوم (Du Chrume) کا وہ پمفلٹ ہے جس میں اس نے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اردو زبان مسلمانوں کی زبان ہے اور مسلمان عیسائیت قبول نہیں کریں گے اس لیے

۱- Pierre Meile: ''Les Langues de L'Inde al' Ecole Nationale des Langues Orientales Vivantes.'' Imprmerie Nationale de Paris 1948. صفحہ ۱۱۳

۲- بحوالہ کتاب مذکورہ صفحہ ۱۱۳

اس زبان کی ترویج پر روپیہ صرف کرنا بے کار ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ سنسکرت کی سرپرستی کی جائے۔ اس قسم کے تعصب اور مخالفت کے باوجود اردو کو نصاب میں شامل کرنے کا خیر مقدم کیا گیا۔ اخباروں نے اداریے لکھے اور اردو زبان کی اہمیت پر زور دیا۔[1]

اس زمانے میں اردو زبان کو فرانس کے علمی حلقوں میں کتنی مقبولیت حاصل ہو رہی تھی اس کی طرف ایک لطیف اشارہ پروفیسر میل نے کیا ہے۔ میں اس اقتباس کے فرانسیسی متن کا ترجمہ اپنے ایک مضمون میں دے چکا ہوں[2] لیکن یہاں اس کا اعادہ ناموزوں نہ ہوگا۔ پروفیسر میل لکھتے ہیں:

> ''کیا یہ محض اتفاق ہے کہ ۱۸۲۹ع میں (اردو زبان کا) کورس وکٹر اوگو کے'' ''Orientales''[3] کے شائع ہونے کے فوراً بعد شروع ہوا؟ ایسا نہیں ہے۔ یہ اتصال اس دلچسپی کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے جو مشرق سے واقفیت کے بارے میں عوام میں بڑھتی جا رہی ہے۔ Orientales کے دیباچے میں وہ لکھتا ہے:'' لوئی چہاردہم کی صدی ''یونانی'' تھی موجودہ صدی ''مستشرق'' ہے۔

اس تاریخی پس منظر میں فرانس میں اردو زبان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اردو کی پروفیسری پر گارسیں دتاسی کا تقرر ہوا۔ وہ پچاس سال

۱-۲ - ان تحریروں کے بارے میں ملاحظہ ہو میرا مضمون بہ عنوان 'اردو کی بابت فرانسیسیوں کی چند تحریریں'۔ ''اردو نامہ'' مارچ ۱۹۶۶ع۔

۳- فرانس کے شہرۂ آفاق شاعر اور ناول نگار وکتراوگو اس نام کا تلفظ ہیوگو صحیح نہیں۔ فرانسیسی زبان میں H کی آواز الف کی ہوتی ہے ح کی نہیں۔ Victor Hugo نے، فارسی اور دیگر مشرقی زبانوں کی شاعری سے متاثر ہو کر مشرقی موضوعات پر نظموں کا ترجمہ اردو میں کیا ہے جو ''بیاض مشرق'' کے نام سے شائع ہو گا۔

تک اس عہدے پر فائز رہے اور انھوں نے اس زبان کی نہایت شاندار خدمات انجام دیں اور ۱۰۰ تالیفات اور تصنیفات شائع کیں ۔ غالباً اس ضمن میں برصغیر ہند و پاکستان کا کوئی فاضل گارسیں دتاسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔

گارسیں دتاسی اور اس کی اہم تصنیفات

گارسیں دتاسی[1] سنہ ۱۸۲۸ع سے دم آخر سنہ ۱۸۷۸ع تک پیرس کے مشرقی زبانوں کے مدرسہ میں ہندوستانی کا پروفیسر رہا ۔ اس عرصے میں نہ صرف اردو ، ہندی ، فارسی ، عربی ، ترکی زبانوں اور مشرقی تاریخ و تہذیب پر لیکچر دیے بلکہ اس پچاس سال کے عرصے میں اس نے مختلف مشرقی موضوعات پر کتابیں ، رسالے اور مضامین وغیرہ بھی شائع کیے ۔ حال ہی میں مسلم یونیورسٹی کی ثریا حسین نے گارسیں دتاسی کی حیات و تصنیفات پر ایک مقالہ لکھا ہے جس پر پیرس یونیورسٹی سے انھیں ڈاکٹریٹ ملی ہے ۔ مقالے کا عنوان ہے ''Garcin de Tassy Biogarphie et etude critque de ses oeuvres'' ۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں ''Institute Francais d' Indologie'' پانڈیچری سے سنہ ۱۹۶۲ع میں شائع ہو چکا ہے ۔[2]

اس مقالے میں دتاسی کی کتابوں اور رسالوں وغیرہ کی جو فہرست مرتب کی گئی ہے اس کے مطابق دتاسی کی تالیفات کی کل تعداد ایک سو پچپن ہے[3] ۔ ڈاکٹر حمیداللہ کی رائے میں یہ فہرست خاصی مکمل ہے ۔ انھوں نے دو ایک مضامین کی نشان دہی کی ہے جن کا پتا چل

۱۔ ولادت : مرسی ایلیا (جنوبی فرانس) ، سنہ ۱۷۹۴ع ۔ وفات : پیرس سنہ ۱۸۷۸ع ۔

۲۔ ثریا حسین نے یہ مقالہ بہت محنت سے لکھا ہے ، اور میں نے اس مضمون میں اس سے بھی استفادہ کیا ہے ۔

۳۔ ثریا حسین ۔ کتاب محولہ صفحات ۲۰۶ تا ۲۱۷ ۔

جانے تو وہ اس فہرست میں شامل کیسے جا سکتے ہیں'۔ افسوس ہے کہ ان تالیفات میں سے صرف معدودے چند کتابوں کا ترجمہ اردو میں ہوا اور اس علمی ذخیرے کے بیشتر حصے سے فرانسیسی زبان نہ جاننے والے والے ابھی تک ناواقف ہیں۔ میں صرف چند اہم تالیفات کا ذکر اس مضمون میں کروں گا۔

تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی

(Historie de la litterature hindovie et hindostanie)

یہ گارسیں دتاسی کی سب سے زیادہ ضخیم اور اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن پیرس سے سنہ ۱۸۳۹ع تا سنہ ۱۸۴۷ع دو جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد میں ۶۳۰ صفحات ہیں۔ دوسرا ایڈیشن پیرس سے ۱۸۷۰، ۱۸۷۱ع میں تین جلدوں میں شائع ہوا جن میں علی الترتیب ۶۲۸، ۶۰۸ اور ۶۱۱ صفحات ہیں۔ اس طرح یہ پوری کتاب ۱۸۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے اور میری درخواست پر کراچی یونیورسٹی لائبریری نے تینوں جلدوں کا مائیکروفلم بھی تیار کروا لیا ہے۔

دوسرے ایڈیشن کی جلد اول میں چار صفحات کا مختصر دیباچہ ہے جس میں ایڈیشن کی تالیف و اشاعت کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ۷۱ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں ہندوستانی زبان کی ابتدا اور ارتقا پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مقدمے میں اردو تذکروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن سے مؤلف نے استفادہ کیا۔ اردو اور ہندی زبانوں کی اصناف سخن وغیرہ کو بھی خاصی وضاحت سے بیان کیا گیا

۱۔ ملاحظہ ہو اختتامیہ "مقالات گارساں دتاسی" جلد اول مطبوعہ انجمن ترقی اردو، کراچی سنہ ۱۹۶۶ع صفحہ ۱۱۔

ہے - اس کے بعد اردو اور ہندی کے شعرا اور دیگر اہل قلم کے حالات زندگی بہ اعتبار حروف تہجی بیان کیے گئے ہیں ، اور ان کے کلام کے اقتباسات لے کر ان کا فرانسیسی ترجمہ پیش کیا گیا ہے (اصل اردو یا ہندی متن پیش نہیں کیا گیا) - دوسری جلد میں بھی شعرا کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام کا فرانسیسی ترجمہ ہے - تیسری جلد میں پہلے ۸ صفحوں کے پیش لفظ میں دتاسی نے لکھا ہے کہ اسی اثنا میں اسے ایک نہایت کارآمد تذکرہ موسومہ ''نسخہ دلکشا'' کے دوسرے حصے کا مخطوطہ مل گیا جس میں ان شعرا کے حالات ہیں جن کے نام ''ک'' اور اس کے بعد کے حروف تہجی سے شروع ہوتے ہیں[1] - اس کے بعد دتاسی نے ان شعرا اور شاعرات کے ناموں کی فہرست دی ہے جن کا تذکرہ ''نسخہ دلکشا'' میں کیا گیا ہے - پیش لفظ کے آخر میں دتاسی نے شملہ پونوی کی کتاب ''باغ و بہار'' عرف ''فسانۂ سحر'' میں سے بعض اشعار کا فرانسیسی ترجمہ پیش کیا ہے ، اس کے بعد صفحہ ۳۵۳ تک دیگر جلدوں کی طرح تمام شعرا کے حالات اور نمونۂ کلام کا فرانسیسی ترجمہ ہے اور پھر ۳۵۳ سے ۳۷۶ تک نسخہ دلکشا کے حصۂ اول کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ان شعرا کے حالات ہیں جن کے نام ''ک'' اور اس سے پہلے کے حروف تہجی سے شروع ہوتے ہیں - ان شعرا کی فہرست بھی دی گئی ہے - صفحہ ۳۷۷ سے ۴۸۸ تک ایک طویل ضمیمہ ہے جس میں گارسیں دتاسی نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے زیر مطالعہ رہیں اور جن کا حوالہ ان تینوں جلدوں میں کہیں نہیں آیا - صفحہ ۴۸۹ سے ۶۰۳ تک مصنفین کے ناموں کا اشاریہ ہے اور اس پر کتاب ختم ہوتی ہے -

اس کتاب پر بعض محققین (مثلاً قاضی عبدالودود) وغیرہ نے کڑی

۱- اس نسخے پر ملاحظہ ہو میرا مضمون ''نسخہ دلکشا'' نگار ، پاکستان کراچی ، ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ع -

تنقید کی ہے اور غلطیاں نکالی ہیں لیکن اگر اس کتاب میں غلطیاں باقی رہ گئیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ گارسین دتاسی کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ پیرس میں جو تذکرے وغیرہ اسے مل سکے اور جو معلومات اُسے حاصل ہو سکیں ان کی بنا پر اس نے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ ہمارے تذکرہ نویسوں نے بھی بعض اوقات واقعات کی تحقیق کی کوئی خاص پروا نہیں کی۔ پھر کتابوں کی طباعت اس قدر ناقص تھی کہ اکثر پڑھنے میں سہو ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے مواد کی اساس پر گارسین دتاسی نے اتنی ضخیم کتاب تحریر کر دی۔ اس نے کہیں کہیں ٹھوکریں ضرور کھائی ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ جتنے شعرا کا تذکرہ گارسین دتاسی نے ''تاریخ'' میں کیا ہے اتنا اردو زبان کے کسی تذکرہ نگار نے آج تک نہیں کیا۔

اس کتاب کا ترجمہ تو کراچی یونیورسٹی میں کیا جا چکا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے شائع ہونے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔

مقالات و خطبات

سنہ ۱۸۵۰ع سے ۱۸۷۷ع تک ہر سال (سوائے ۱۸۵۸ع کے) گارسین دتاسی ہندوستانی (اردو) زبان و ادب کے بارے میں مضامین شائع کرتا تھا جن میں وہ اردو زبان کے بارے میں وہ معلومات پیش کرتا تھا جو خط کتابت اور دیگر ذرائع سے اسے حاصل ہوتی تھیں۔ ان مقالات و خطبات میں مختلف کتابوں کے شائع ہونے کی تفصیلات، ان پر تبصرے، ہندوستان کے معاشرتی اور سیاسی حالات کا جائزہ، اردو زبان کی ترقی اور مخالفتوں کے کوائف، مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے بارے میں معلومات، اخباروں کے شائع ہونے اور بند ہونے کی اطلاعات، ادبی اور ثقافتی انجمنوں کی سرگرمیوں کے تذکرے اور دیگر اہم شخصیتوں کی زندگی

اور موت کے بارے میں نہایت بیش قیمت مواد ملتا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اگر گارسین دتاسی کے مقالات و خطبات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہندوستان کی ادبی اور ثقافتی تاریخ کے اس دور کے بارے مین کوئی اور ماخذ مشکل ہی سے ملے گا۔

حال ہی میں انجمن ترقی اردو نے ۱۸۷۰ع سے ۱۸۷۳ع کے مقالات کے تراجم کو ڈاکٹر حمیداللہ سے نظرثانی کرا کے شائع کیا ہے[1]۔ ان مقالات و خطبات کو بر صغیر ہند و پاکستان میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور مولوی عبدالحق اور دیگر اہل علم نے ان پر تبصرے تحریر کیے۔ جن سے اردو داں حضرات واقف ہیں۔

فرانس کے مستشرقین بھی گارسین دتاسی کے ان مقالات سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ مشہور مستشرق رینان کے مضامین سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

''ہمارے معزز قائد ان خطوط میں ایک ہندوستان کے رہنے والے کی طرح جوش و خروش سے حصہ لیتے ہیں۔ وہ یقیناً خوب صورت ہندوستانی کے حق میں ہیں جسے اردو کہتے ہیں اور دیوناگری حروف تہجی کے بے جا دعوے کے مخالف ہیں''۔[2]

ایشیاٹک سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ بابت سال سنہ ۱۸۷۴ع میں رینان لکھتے ہیں:

''نہایت بصیرت افروز حقائق کو جس دلچسپی اور جس خلوص سے پیش کیا گیا ہے اس سے بہتر پیش کش کی توقع نہیں کی جا سکتی[3]۔

۱۔ ''مقالات گارسیں دتاسی'' مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی (سنہ ۱۹۶۴ع)

۲۔ مضمون مصنفہ ارنست رینان، شائع شدہ، ژورنال آزیاتیک (Journal Asiatique) جولائی سنہ ۱۸۷۳ع۔ بحوالہ تحقیق ثریا حسین صفحہ ۵۱۔

۳۔ ژورنال آزیاتیک۔ جولائی سنہ ۱۸۷۵ع۔

ہندوستانی - فرانسیسی اور
فرانسیسی - ہندوستانی لغت

۴۴ صفحات کا یہ لغت گارسیں دتاسی کی زیر ہدایت فرانسوادیلونکل (Francois Deloncle) نے سنہ ۱۸۷۶ع میں شائع کیا۔

عربی فن عروض کے ہندوستانی زبان میں
تصرف پر ایک مقالہ

Memoire sur la systeme metrique des Arabes adapte a la langue Hindustanie.

چوالیس صفحے کے اس مقالے میں دتاسی نے عربی اور اردو زبانوں کی بحروں میں فرق اور مماثلت پر بحث کی ہے۔ یہ مقالہ ژورنال آزیاتیک میں سنہ ۱۸۳۲ع میں شائع ہوا۔

قواعد اردو

گارسیں دتاسی نے اردو زبان کی قواعد کی مبادیات، صرف، نحو، وغیرہ پر سات کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں، جن کی تفصیل ثریا حسین نے اپنی کتاب میں دی ہے۔

تراجم

گارسین دتاسی نے اردو زبان سے جو تراجم کیے ہیں ان میں سے حسب ذیل اہم ہیں:

ہجوبعنوان "تنبیہ الجہال" - میر تقی میر کا ترجمہ گارسیں دتاسی نے Conseils aux-mauvais poets یعنی "بڑے شاعروں کو مشورہ" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی میں میر کے تذکرے میں شامل ہے اور اس سے بہت پہلے سنہ ۱۸۲۵ع میں علیٰحدہ بھی شائع ہوا۔

دیوان ولی - ولی کو جو اہم مقام اردو شاعری میں حاصل ہے اس

سے اہلِ نظر واقف ہیں ۔ ولی کا انتقال ۱۷۰۷ء میں ہؤا ۔ اس کی زندگی میں اور اُس کی وفات کے بعد ہندوستان میں اس کی شاعری کے پرستاروں کی کمی نہ تھی ۔ لیکن اس کے دیوان کے متن کا باقاعدہ تعین اور اس کی اشاعت کا شرف سب سے پہلے گارسیں دتاسی ہی کو حاصل ہؤا ۔ سید نورالحسن ہاشمی نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے[1] ۔ گارسین دتاسی نے یہ کتاب ۱۸۳۳ء میں پیرس سے شائع کی ۔ اس کے بعد دوسرے ہی سال سنہ ۱۸۳۴ء میں ولی کے کلام کا ترجمہ Les oeuvces de Wali tradintee de l' hindustani کے نام سے ایک دیباچے کے ساتھ شائع کیا ۔ اس کتاب کا دوسرا مرمعہ ایڈیشن سنہ ۱۸۳۶ء میں دیباچے کے علاوہ ایک ''اعلان'' (Avis) کے ساتھ شائع کیا[2] ۔

اس کتاب کے دیباچے میں عالمی ادب میں شاعری کی اہمیت اور قدیم ہندوستان میں شاعری کے مقام کا ذکر کرنے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کی شاعری اور خصوصیات پر اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ اس دیباچے میں اس کے مخاطب خصوصاً یورپین فضلا ہیں اور اس نے کوشش کی ہے کہ اردو شاعری (جسے وہ مسلمانوں کی شاعری کہتا ہے) کے مزاج کو مختصراً مغربی ادیبوں سے روشناس کرانے اور چند غلط فہمیاں دور کرے ۔ چنانچہ دیباچے میں وہ لکھتا ہے کہ ہندوستانی زبان کو مسلمانان ہند کی ثقافت کے بنیادی اجزائے ترکیبی میں سمجھنا چاہیے ۔

۱۔ سید نورالحسن ہاشمی ''کلیات ولی'' مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ۔ سنہ ۱۹۵۴ء ۔ صفحہ ۲۴ ۔

۲۔ ثریا حسین نے اپنی کتاب میں سنہ ۱۸۳۴ء کے ایڈیشن کا ذکر کیا ہے سنہ ۱۸۳۶ء کے مرمعہ ایڈیشن کا حوالہ نہیں دیا لیکن یہ کوئی قابل اعتراض فروگذاشت نہیں کیونکہ اصل کتاب ۱۸۳۴ء ہی میں شائع ہوئی ۔ اسی کی بنیاد پر سنہ ۱۸۳۶ء کا ایڈیشن شائع کیا گیا ۔ موصوفہ نے جو اقتباسات ''اعلان'' میں سے دیے ہیں وہ سنہ ۱۸۳۶ء کے ایڈیشن سے لیے گئے ہیں ۔

مسلمان عوام کو مذہبی فلسفہ کی تعلیم اکثر شاعری کے ذریعے ہی دی جاتی ہے ۔ ولی کی شاعری کا مقصد روحانی اقدار سے ربط پیدا کرنا اور اس ذات لافانی سے ہم آہنگ ہوتا ہے کیونکہ دنیا کی تمام اشیا فانی ہیں ۔ یہ روحانی ربط محبت کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ آگے چل کر دتاسی لکھتا ہے کہ غیر مرئی مجاز کا مشاہدہ اور تصور ضروری ہے اور مجاز کے ادراک کی صورت یہی ہے کہ کائنات کے مادی مظاہر اور حسن کے اس تصویر خانے کا مشاہدہ کیا جائے ۔ شعرا اس مشاہدے سے بصیرت حاصل کرتے ہیں اور اس طرح مجاز کے رموز ان پر آشکار ہوتے ہیں ۔ حسن اور اس کے مظاہر کا ذکر کرتے ہوئے گارسیں دتاسی مشرقی شاعری کے خلاف اس الزام کا ذکر کرتا ہے جو 'امرد پرستی' کے نام سے مشہور ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ حسن کے اہم مظاہر میں انسان بھی ہے اور یہ حسن شاعر کو عورتوں میں اور اکثر لڑکوں میں نظر آتا ہے ۔ یہ لڑکے نو عمر ہوتے ہیں ، ایسی عمر جو ابھی جذبات کی غلام نہیں ہوئی ، سادہ اور معصوم ۔ جو برائی سے پاک ہوتی ہے اور فطرت کے نقش قدم پر چلتی ہے ۔ اس عمر میں ان لڑکوں کا جسم بھی مضبوط اور صحت مند ہوتا ہے ۔ ان کے چہرے نرم و نازک اور ان جھریوں سے پاک ہوتے ہیں جو زندگی کے مصائب و آلام انسان کے چہرے پر ڈال دیتے ہیں ۔ شعرا اس حسن کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں لیکن اس کا کوئی تعلق اس مذموم فعل سے نہیں ہے جو ''بدقسمتی سے عیسائی یورپ میں بھی غیر معروف نہیں ہے اور جسے ایشیائی ملکوں کے لوگ بھی اتنا ہی مذموم قرار دیتے ہیں جتنا کہ عیسائی ۔''

عورتوں سے زیادہ لڑکوں کے حسن کو شاعری کا موضوع بنانے کی وجہ دتاسی یہ بیان کرتا ہے کہ مسلمان عورتیں پردے سے باہر نہیں جاتیں اور کوئی اجنبی ان کے حسن و ادا سے متاثر ہونا تو کجا انھیں دیکھ بھی نہیں سکتا اس لیے اگر کوئی شاعر ان کے حسن و جمال کے

گیت گائے تو اس کا خدشہ ہے کہ عورت کے والدین ، بھائی یا شوہر اسے اپنی ہتک خیال کریں اور اس کے ناخوشگوار نتائج برآمد ہوں ۔ دتاسی لکھتا ہے کہ جن مسلمانوں سے میں ملا ہوں انھوں نے یہی توجیہ کی ہے ۔

دتاسی لکھتا ہے کہ امرد پرستی اور اس کے بارے میں یہ تاثرات زیادہ تر غزلیہ شاعری سے متعلق ہیں ۔ قصہ کہانیوں وغیرہ میں ہیرو اور ہیروئن دونوں موجود ہوتے ہیں اور شاعروں کو نسائی حسن و ادا کے بیان میں کوئی تامل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس موضوع پر جزویات بھی بہت وضاحت سے بیان کی جاتی ہیں ۔

اس کے بعد دتاسی غزل اور دیگر اصناف سخن کا مختصراً ذکر کرتا ہے اور پھر ولی ، اس کی زندگی کے حالات اس کے کلام کی خصوصیات بیان کرتا ہے اور اس کا دیگر اردو شعرا سے مقابلہ کرتا ہے ۔ ولی کی آزادیٔ فکر کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ اس کے کلام میں کسی بادشاہ یا نواب کی تعریف نہیں ملتی ۔ اس ضمن میں وہ میر تقی میر ، میر حسن اور سودا سے مختلف ہے ۔ یہ تینوں شعرا ولی کے بعد سب سے زیادہ مشہور ہیں ، لیکن انھوں نے مشرقی استعارات ، تشبیہات اور کنائے نوابین اودھ و بنگال کی تعریف میں صرف کیے ہیں ۔

گارسیں دتاسی نے دیوان کے متن کا تعین کرنے کے لیے چھ مخطوطات سے استفادہ کیا ہے ۔ جن کا ذکر اس نے دیباچے کے صفحہ ۱۳ اور اس کے بعد صفحات ۱۸ اور ۱۹ پر کیا ہے ۔ سنہ ۱۸۳۶ع کے ایڈیشن کے 'اعلان' میں دتاسی نے ایک ساتویں مخطوطے کا ذکر کیا ہے جو اسے سنہ ۱۸۳۶ع کا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد حاصل ہوا ۔

گارسیں دتاسی نے پورے دیوان کا ترجمہ فرانسیسی میں نہیں کیا دیباچے میں صرف تین غزلوں اور ایک مثنوی کے ایک حصے کا مکمل ترجمہ کیا ہے ۔ یہ ترجمہ کتاب کے دیباچے میں شامل ہے ۔ دیوان کے

بقیہ حصے کے بارے میں اشعار پر وضاحتی نوٹ لکھے ہیں ۔ جن غزلوں کا ترجمہ دتاسی نے کیا ہے ان کے مطلعے حسب ذیل ہیں :

قبلۂ اہل صفا شمشیر ہے
ہادیٔ مشکل کشا شمشیر ہے

ترجمے کا عنوان دتاسی نے "Lepee" (شمشیر) قائم کیا ہے ۔

(۲) زرد رو ہے جو کیا ہے فکر تسخیر طلا
مست ہو وحشی صفت زنہار نخچیر طلا

ترجمے کا عنوان "L'or" (طلا) ہے ۔

(۳) ہمیشہ ہے بہار سرو آزاد
نجاوے دولت حسن خداداد

ترجمے کا عنوان "L'eternelle Beaute" (حسن ابدی) ہے ۔

(۴) مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے :

انہی دل اوپر دے عشق کا داغ
یقیں کے نین میں مست کحل مازاغ

ترجمہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے :

عجب شہراں میں ہے پرنور یک شہر
بلا شک وہ ہے جگ میں مقصد دہر

ترجمہ کا عنوان "Surate" (سورت) ہے ۔

بیس صفحے کے دیباچے اور دو صفحے کے "اعلان" کے بعد ترجمے کا حصہ شروع ہوتا ہے ۔ اس حصے میں چونسٹھ صفحات ہیں ۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے دتاسی نے سب غزلوں وغیرہ کے ترجمے نہیں کیے ۔ اس حصے میں بعض پوری غزلوں کے ترجمے ہیں ، بعض غزلوں کے چند اشعار کے ترجمے ہیں اور اس کے علاوہ مشکل الفاظ ، تشبیہات اور تلمیحات وغیرہ پر وضاحتی نوٹ ہیں ۔ یہ نوٹ بہت اہم ہیں ، خصوصاً اس لیے کہ دتاسی نے دکنی زبان کے نامانوس الفاظ کے معانی بھی بیان

کیسے ہیں - جیسا کہ اُس نے دیباچے میں لکھا ہے - دکنی زبان کے اکثر الفاظ کے معانی لغات میں نہیں ملتے[1] - جن مقامات پر مختلف مخطوطات کا متن ایک دوسرے سے مختلف ہے ان کی صراحت بھی ان حاشیوں میں کر دی گئی ہے - یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے جس کی طرف افسوس ہے کہ خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی -

ترجمے کے بعد ایک صفحے پر دتاسی نے ان بحروں کی وضاحت کی ہے جو ولی نے استعمال کی ہیں - یہ بحریں تعداد میں تیرہ ہیں -

اس کے بعد دو صفحوں میں دتاسی نے دیوان کی ہر غزل ، مثنوی ، نظم ، رباعی ، فرد وغیرہ کی بحروں کا علیٰحدہ علیٰحدہ تعین کیا ہے -

ایک صفحے کے غلط نامے کے بعد اردو متن کا حصہ شروع ہوتا ہے جو ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے - اور نہایت واضح ٹائپ میں چھپا ہؤا ہے -

تاریخ شیر شاہ - عباس خاں شروانی نے شہنشاہ اکبر کے حکم سے سلطان شیرشاہ کی تاریخی سوانح حیات فارسی میں لکھی تھی[2] جس کا اردو میں ترجمہ مظہرعلی ولا نے سنہ ۱۸۰۵ع میں کیا - اس ترجمے کا ایک مخطوطہ پیرس کے میوزے گیمے میں موجود ہے[3] - اس مخطوطے کے متن کا آزاد ترجمہ گارسیں دتاسی نے کیا ہے - جس کا عنوان Un chapitre de l'historre do l'Inde musulmane on chronique de Scher Scha (مسلمانوں کی تاریخ کا ایک باب یا

۱- دیباچہ صفحہ ۱۳

۲- ملاحظہ ہو ''داستان تاریخ اردو،، حامد حسن قادری - صفحہ ۱۱۹-

۳- ثریا حسین نے اپنی محولہ کتاب (صفحہ ۸۹) میں لکھا ہے کہ انہیں اصل فارسی یا اردو ترجمہ پیرس میں نہیں ملا ، غالباً یہ مخطوطہ موصوفہ کی نظر سے نہیں گذرا ، جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ مخطوطہ ببلیوتک ناسیونال پیرس میں نہیں ہے بلکہ میوزے گیمے پیرس میں ہے اور عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ تمام اردو مخطوطات ببلیوتک ناسیونال ہی میں ہیں -

سرگذشت شیرشاہ) ہے۔

حضرت مسلم کے دو بچوں کی شہادت پر عبداللہ مسکین کے مرثیہ کا ترجمہ: حضرت مسلم بن عقیل حضرت امام حسین کے چچا زاد بھائی تھے۔ برتراں (Bertrand) نے حضرت امام حسین کی شہادت کے مرثیے کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ گارسیں دتاسی نے حضرت مسلم کے بچوں کی شہادت کے مرثیے کا ترجمہ کیا ہے اور مسکین کے متن میں جو تلمیحات ہیں، ان پر نوٹ لکھے ہیں۔ یہ ترجمہ پیرس سے سنہ ۱۸۴۵ع میں شائع ہؤا۔

'آرائش محفل رشید علی افسوس' کے دو ابواب کا ترجمہ گارسیں دتاسی نے کیا ہے۔ پہلا باب مذہبی رسوم، لسانی مسائل، موسیقی، وغیرہ کے بارے میں ہے۔ دوسرا باب ہندوستان کے پھلوں کے بارے میں ہے۔ یہ ترجمہ ژورنال آزیاتیک پیرس کی جلد ۹، جولائی سنہ ۱۸۲۶ء میں شائع **ہؤا۔**

باغ وبہار (میرامن) - گارسیں دتاسی نے اس کتاب کا ترجمہ کیا جو پیرس سے سنہ ۱۸۷۸ء میں شائع ہؤا اور اس پر تبصرہ لکھا جو ریویو دلوریاں (Revue de l'Orient) کی جلد ۱۵ میں سنہ ۱۸۵۵ء میں شائع ہؤا۔

قصہ گل بکاؤلی کا (ملخص) ترجمہ گارسیں دتاسی نے ژورنال آزیاتیک کے ستمبر ۱۸۳۵ء کے شمارے میں شائع کیا۔

—"Analyse de deux grammaires hindoustanies originales."

یہ مضمون **ژورنال آزیاتیک** جنوری ۱۸۳۸ع میں شائع ہؤا۔ اس مضمون میں گارسیں دتاسی نے اردو زبانوں کی قواعد کی دو کتابوں کا تجزیہ کیا ہے۔ کتابوں کے نام یہ ہیں۔ **حرف اردو** مصنفہ امانت اللہ شیدا اور **قواعد زبان اردو** جو کلکتہ سے ۱۸۲۹ع میں شائع ہوئی اور جسے **رسالہ گلکرسٹ** بھی کہتے ہیں۔ گارسیں دتاسی نے اس

مضمون میں اردو قواعد کی خصوصیات بیان کی ہیں اور وضاحت کی ہے کہ اردو قواعد کے اصول یورپی زبانوں کی قواعد سے کس طرح مختلف ہیں۔

Anecdotes hindoustanies

یہ چند ہندوستانی قصے کہانیوں کو فرانسیسی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مضامین **ژورنال آزیاتیک** میں فروری ۱۸۳۶ع، مارچ ۱۸۳۶ع اور اپریل ۱۸۳۶ع میں شائع ہوئے۔

Allegories, recits poetiques et chants populaires, traduits de l'arabe, du persan, de l'hindoustani et du turc, Paris, 1876.

اس کتاب میں عربی، فارسی، ہندوستانی اور ترکی زبانوں کے قصوں کو فرانسیسی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ ہندوستانی قصوں میں کامروپ، گل بکاولی، گل صنوبر، ہیر رانجھا، شکنتلا اور ہندوستان کے چند لوک گیتوں کے قصے شامل ہیں۔

Les auteurs hindoustanis et leurs ouvrages, Paris, 1868.

"ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصنیفات"۔ اس کتاب کا ملخص ترجمہ مولوی ذکا اللہ نے **"تذکرہ مختصر احوال ہندی"** کے نام سے شائع کیا۔ یہ کتاب مطبع مظہر العجائب سے شائع ہوئی۔ مولوی صاحب نے یہ ترجمہ اصل فرانسیسی متن سے نہیں بلکہ انگریزی ترجمے سے کیا ہے۔ انگریزی کے مترجم کا نام کہیں ظاہر نہیں کیا گیا۔

"Les aventures de Kamrup," Revue de l'Orient, tome 15, 1854.

تحسین الدین کے **قصہ کامروپ** کا ترجمہ برطانیہ کی اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کے زیر اہتمام پیرس سے ۱۸۳۳ع میں شائع ہوا۔

—"Bag O Bahar, le Jardin et le Printemps," Revue obe l'Orient, tome 15, 1854.

اس مضمون میں **'باغ و بہار'** کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مضمون گارسیں دتاسی کے اس خطبے کا اقتباس ہے جو اس نے پیرس میں مشرق

علوم کے مدرسے کے سالانہ افتتاحی جلسے میں ۲۹ نومبر ۱۸۵۳ء کو پڑھا ۔

—"Chrestomathie hindoustanie, Paris, 1847."

"ہندوستانی منتخبات" ۔ اس کتاب میں اردو نظم و نثر سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں ۔ ان میں قصے کہانیاں ، تاریخ سے متعلق متون کے علاوہ قرآن کریم کے اردو ترجمے کے اقتباسات بھی شامل ہیں ۔ یہ کتاب پیرس میں مشرقی علوم کے مدرسے کے طالب علموں کے لیے لکھی گئی ۔

Discours de Garcin de Tassy a la Societe d'Ethnographie.

یہ صدارتی خطبہ ہے جو گارسیں دتاسی نے پیرس کی انجمن علم الاقوام کے سالانہ جلسے میں ۲۷ فروری ۱۸۶۵ء میں پڑھا ۔ اس خطبے میں دیگر موضوعات کے علاوہ دتاسی نے میر حسن کی **مثنوی سحرالبیان** کا بھی جائزہ لیا اور بیان کیا کہ اس مثنوی میں اُس دور کی معاشرت ، رسم و رواج اور طرز زندگی کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے ۔

"Les femmes poetes dans l'Inde," Revue de l'Orient de l'Algerie et des Colonies, Paris, mai, 1884.

اس مضمون میں دتاسی نے چند ہندو اور مسلمان خواتین کا ذکر کیا ہے جو شعر کہتی تھیں ۔ ان میں چھوٹی بیگم دلبر ، ماہ لقا چندا ، دلھن بیگم اور زینت کا ذکر کیا گیا ہے ۔

"Lettre de Mir Jafar Ali, nabad de Surate," Revue de l'Orient, de l'Algerie et des Colonies, tome I, 1885.

۱۸۵۳ء کے آخر میں میر جعفر علی خاں نواب سورت پیرس گئے تھے ۔ دوران قیام میں ان کی دتاسی سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ پیرس چھوڑنے سے پہلے نواب صاحب نے ایک خط دتاسی کو لکھا تھا جس میں انھوں نے پیرس کے قیام سے متعلق اپنے تاثرات بیان کیے تھے ۔ دتاسی نے خط کا اردو متن مع فرانسیسی ترجمہ شائع کیا ۔

—"Livre de voyage ou itineraire de Delhi a Londres, par Karim Khan de Jhajhar, Revue de l'Orient, de Algerie et des Colonies, 1865.

یہ نواب کریم خاں جھجری کے سیاحت نامہ کا فرانسیسی ترجمہ ہے۔ نواب کریم خاں کو اکبر شاہ دوم نے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے دسمبر ۱۸۳۹ع میں انگلستان بھیجا تھا جہاں وہ ۱۸۴۱ع تک رہے۔ یہ سفر نامہ مشہور ہے اور اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے۔

—"Manuel de l'auditeur du cours hindoustani."

اس کتاب میں اردو زبان سکھانے کے لیے روزمرہ استعمال کے جملے مہینوں، موسموں اور ہندوستانی سکوں کے نام شامل ہیں اور فرانسیسی - ہندوستانی الفاظ کی ایک فرہنگ بھی دی گئی ہے۔

—"Observations a la suite d'une lettre de M.N. Bland sur Mas'oud, Journal Asiatique, Sept. Oct. 1853."

مسٹر بلانڈ نے دتاسی کے نام ایک خط میں بیان کیا تھا کہ اردو کے الفاظ جس شاعر کے ہاں سب سے پہلے ملتے ہیں وہ مسعود ہے جو سعد کا بیٹا اور سلمان کا پوتا تھا۔ مسعود ۱۰۳۵ع میں لاہور میں پیدا ہوا اور ۱۱۱۸ع میں وفات پائی۔ یہ صاحب دیوان فارسی شاعر ہے جس کے کلام میں ہندوستانی کے الفاظ ملتے ہیں۔ دتاسی نے اس خط کا حوالہ دیا ہے اور اس پر تبصرہ کیا ہے۔

—Memoire sur le system metrique des Arabes adapte a la langue hindoustanie, Journal Asiatique, 1832.

اس مضمون میں دتاسی نے عربی زبان کی بحروں کا اردو زبان کی بحروں سے مقابلہ کیا ہے۔

—La Rhetorique des Nations Musulmanes, Extrait de l'annee, 1844 du Journal Asiatique.

یہ کتاب حدایق البلاغہ کا ترجمہ ہے جس کا مصنف شمس الدین فقیر دہلوی ہے۔ مصنف کا انتقال (دتاسی کے کہنے کے مطابق)

اٹھارھویں صدی کے آخر میں ہوا ۔ اس کتاب میں بیان ، بدیع ، عروض ، قافیہ ، معما اور سرقہ پر بحث کی گئی ہے ۔ دیباچے میں دتاسی نے بیان کیا ہے کہ اکثر موقعوں پر میرا ترجمہ آزاد ہے تا کہ ابلاغ میں دشواری نہ ہو ۔ اس کتاب میں ۲۲۴ صفحات ہیں ۔

اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۳ء میں حسب ذیل نام سے شائع ہوا ۔

Rhetorique et Prosodie des langues des l'Orient Musulman.

اس کتاب میں ۴۵۰ صفحات ہیں ۔ اس کے دیباچے میں دتاسی نے وضاحت کی ہے کہ اس نے ان موضوعات پر خود مزید تحقیق کی ہے اور اس کے نتائج مثالوں سے واضح کیے ہیں ۔ اس کتاب میں ہندوستانی زبان کے عروض پر ایک علیٰحدہ باب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔

اردو زبان کی قدیم ترین لغت

ببلیوتک نیشنال پیرس[1] کا مخطوطہ ۸۳۹ ، اردو زبان کی قدیم ترین لغت کا مخطوطہ ہے ۔ سرجارج گریرسن نے اپنی کتاب Linguistic Survey of India کی جلد نہم کے صفحہ ۶ پر لغت کا ذکر کرتے ہوئے مشہور اطالوی محقق امادوزی (Amaduzzi) کی کتاب Beligattio Alphabetum Brammhanicum کے دیباچے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لغت ایک کپوسین مشنری نے ۱۷۰۴ء میں لکھی تھی ۔

اما دوزی کے زمانے میں یہ لغت روم کے نشر و اشاعت کے کتاب خانے میں تھی ، لیکن جب ۱۸۰۹ء میں انھوں نے اسے روم میں تلاش کیا تو یہ لغت انھیں نہیں ملی ۔ سر جارج کے اس اقتباس کے حوالے سے مولوی عبدالحق نے بھی اس لغت کا ذکر اپنے مضمون بعنوان

۱۔ ببلیوتک ناسیونال کے مخطوطات پر دیکھیے میری کتاب **'مخطوطات پیرس'** ترقی اردو بورڈ ، کراچی ۱۹۶۷ء ۔

"اہل یورپ نے اردو کی کیا خدمت کی" میں کیا ہے ، جو مجلہ "اردو" جنوری ۱۹۲۴ع میں شائع ہؤا ۔ اس کے بعد چند دیگر محققین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ، لیکن کسی نے یہ ادعا نہیں کیا کہ یہ لغت ان کی نظر سے گزری ہے ۔

میں نے اس لغت کا ایک مخطوطہ ببلیوتک ناسیونال پیرس میں ۱۹۶۳ع میں دیکھا ۔ یہ مخطوطہ ایک فرانسیسی محقق انکتیل دوپرون[1] نے اصل مخطوطے سے نقل کیا تھا ۔ لغت کا اصل مصنف ایک فرانسیسی مشنری مسمی فرانسسکوماریا دوتور تھا ۔

اس لغت کے بارے میں کچھ تفصیلات میرے ایک مضمون میں شامل ہیں جو "اردو کی بابت فرانسیسیوں کی چند تحریروں" کے عنوان سے اردو نامہ کراچی ، شمارہ مارچ ۱۹۶۴ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ لغت کے مصنف کے بارے میں تفصیلات جس قدر معلوم ہو سکیں وہ اس کتاب کے انگریزی حصے میں شامل ہیں ۔ لغت کے متعلق تاریخ وار سلسلہ واقعات حسب ذیل ہے :

۱۶۸۰ع ۔ لغت کا مصنف فرانسسکوماریا دوتور پانڈیچری کے مشنری کتب خانے میں کام کرتا تھا ، اور غالباً اسی زمانے میں اس نے یہ لغت تالیف کیا ۔

۱۷۰۳ع ۔ فرانسسکو روم گیا اور پاپائے روم کے کاردنال حضرات کے سامنے پیش ہؤا جن سے اس نے درخواست کی کہ اس لغت کو شائع کیا جائے ۔ یہ درخواست منظور نہیں ہوئی ۔

۱۷۰۴ع ۔ مصنف نے لغت کا مخطوطہ ۵ جولائی کو نشر و اشاعت کے کتب خانے میں داخل کر دیا ۔ اس کے بعد فرانسسکو

۱۔ انکتیل دوپرون کے حالات زندگی کا ذکر میرے ایک مضمون میں شامل ہے ۔ دیکھیے "۱۹۶۵ع کے بہترین مقالے" ڈاکٹر وحید قریشی ۔ اشرف پریس ۔ لاہور ۱۹۰۶ع ۔

ہندوستان کے لیے روانہ ہو گیا۔

۱۷۰۶ء - فرانسسکو کچھ عرصہ سورت میں قیام کرنے کے بعد پانڈیچری آیا اور پھر چندر نگر ہوتا ہؤا نومبر میں پٹنہ پہنچا۔

۱۷۰۷ء - فرانسسکو نیپال کے لیے روانہ ہؤا اور ۱۲ فروری کو کھٹمنڈو پہنچا ، اور اس کے بعد ۱۲ جون کو لاسا (تبت) پہنچا۔

۱۷۰۹ء - فرانسسکو تبت سے روانہ ہؤا اور مئی میں پٹنہ پہنچا اور وہیں وفات پائی۔

۱۷۵۸ء - انکتیل دوپروں نے لغت کا مخطوطہ ایک عیسائی مشنری کے پاس سورت میں دیکھا۔

۱۷۷۱ء - اس لغت کا ذکر امادوزی نے Alphabetum Brammhanicum کے دیباچے میں کیا۔

۱۷۷۸ء - امادوزی کا مذکورۂ بالا دیباچہ انکتیل دوپروں کی نظر سے گزرا۔

۱۷۸۱ء - انکتیل دوپرں کو لغت کا مخطوطہ روم سے ۱۳ اکتوبر کو موصول ہؤا۔

۱۷۸۳ء - انکتیل دوپروں نے ۲۰ جنوری کو اس لغت کی اشاعت کے بارے میں موسیو لونوس سے گفتگو کی - ۱۲ مارچ کو اس نے مخطوطے کی نقل کی تکمیل کرکے مخطوطے کو شہنشاہ فرانس لوئی شانزدہم کے وزیراعظم کے سپرد کر دیا۔

۱۸۰۵ء - انکتیل دوپروں نے پیرس میں وفات پائی۔

۱۸۹۰ء - سر جارج گریرسن نے روم میں اس لغت کی تلاش کی ، لیکن انہیں لغت نہ ملا۔

۱۹۶۳-۶۴ء - انکتیل دوپروں کا نقل کیا ہؤا لغت کا مخطوطہ ببلیوتک ناسیونال میں دیکھا گیا۔ مخطوطے کو مائکرو فلم کرایا گیا اور فلم پاکستان لائی گئی۔

لغت کے مخطوطے کی فلم میرے پاس ہے ، اگر کوئی فرد یا ادارہ لغت کو شائع کرتا ہے تو میں فلم کو بخوشی اس کے سپرد کردوں گا ۔

پیرس میں اردو زبان کی تعلیم کے موجودہ مسائل

گارسیں دتاسی نے سنہ ۱۸۷۸ع میں وفات پائی ۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس کے بعد ہندوستانی (اردو) کی پروفیسری پر کسی دوسرے کا تقرر نہیں ہؤا ۔ یہ عہدہ اردو زبان وادب کے لیے قائم ہؤا تھا لیکن گارسیں دتاسی کے بعد اس عہدے پر تامل (پروفیسر ونسن) ، سنسکرت (پروفیسر بلوش) وغیرہ کے ماہرین کا تقرر ہوتا رہا ۔ پھر فیلبوزا (تامل) مارکووش (ہندی) اور کچھ عرصے تک رحمت علی (اردو) پڑھاتے رہے لیکن پیرس کے مشرقی زبانوں کے مدرسہ میں پروفیسری کی کرسی پر گارسیں دتاسی کے بعد کوئی متمکن نہ ہو سکا ۔ اس کی جو وجہ پروفسیر میل نے بیان کی ، وہ یہ ہے :

> گارسیں دتاسی کی وفات کے بعد شمالی ہند سے ہمارا تعلق منقطع ہو گیا اور ہمیں وہاں سے تقریباً کوئی چیز نہیں ملی - خواہ اصل متن کی صورت میں ہو یا تاریخی مواد کی صورت میں ۔ اس طرح ہم تقریباً ستر سال پیچھے چلے گئے[1] ۔

ایسی صورت میں اگر پیرس کے مستشرقین کو اردو زبان و ادب سے دلچسپی باقی نہیں رہی اور اس کی جگہ تامل ، سنسکرت اور ہندی زبانوں نے لے لی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟

۱- ملاحظہ ہو "Les langues de la Indes" صفحہ ۱۱۹ - پروفیسر میل کی یہ کتاب جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سنہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ۔ گارسیں دتاسی نے سنہ ۱۸۷۸ء میں وفات پائی ۔ اس طرح ستر سال تک ہم نے پیرس میں مشرقی علوم کے مدرسے کی طرف توجہ نہیں کی ۔

پیرس کے مشرقی زبانوں کے مدرسے میں مندرجہ ذیل زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے :

عربی	عبرانی	ترکی	فارسی
کردی	(اسرائیلی)	اردو	ہندی
تامل	آرمینی	کمبودی	سیامی
لاوی	ویٹ نامی	ملایائی	انڈونیشی
(لاؤس کی زبان)	چینی	جاپانی	سیالی
ملاغاسی	فولانی	فانگ	ہمبارا
بربری	تاہیتی	ہوائی لو	

ان سب زبانوں میں طلبہ کی سب سے زیادہ تعداد عربی اور چینی زبانوں کی جماعتوں میں ہے ۔

گارسیں دتاسی کے بعد اردو زبانوں کے شعبے میں کوئی پروفیسر تو مقرر نہیں ہوا لیکن لیکچرار اور معاون (''repetiteur'') اردو زبان پڑھاتے ہیں ۔ لیکچرار عموماً فرانسیسی اور معاون عام طور پر اہل زبان ہوتے ہیں ۔ آج کل آندرے گمبریتر (Andre Guimbretiere) ہیں ۔ موصوف کچھ عرصہ پاکستان میں بھی رہ چکے ہیں اور خود فرانسیسی زبان کے شاعر ہیں ۔ معاون عبدالماجد صاحب ہیں ۔ اردو زبان کی تعلیم کا کورس تین سال کا ہے ۔ ہر سال طلبہ کا امتحان لیا جاتا ہے ۔ کورس مکمل کرنے کے بعد طالب علموں کو ڈپلوما دیا جاتا ہے ۔ پیرس میں قیام کے دوران میں نے گمبریتر صاحب سے اردو زبان کی تدریس سے متعلق کچھ سوالات کیے تھے ۔ ان کے جواب میں انھوں نے ایک نوٹ لکھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

پاکستان کے موجودہ معاشی ، سیاسی ، ثقافتی حالات کے بارے میں ان کی معلومات کا ذریعہ زیادہ تر دستاویزات ہیں جو انھیں حکومت پاکستان کے محکمہ اطلاعات سے حاصل

ہوتی ہیں۔ ادبی رسائل میں انہیں مندرجہ ذیل رسائل موصول ہوتے ہیں ، نیادور ، سات رنگ[1] ، ہم قلم[2] ، سویرا ، اور ان کے علاوہ ''پاک جمہوریت'' ۔

اردو زبان اور برصغیر ہند و پاکستان کی تاریخ اور ثقافت کے بارے میں ان کی معلومات کا ماخذ ایک تو وہ کتابیں ہیں جو پیرس میں موجود ہیں ۔ ان کے علاوہ لندن کے برٹش میوزیم ، انڈیا آفس لائبریری ، اور سکول آف اورینٹل اینڈ افریکن سٹڈیز وغیرہ میں جو کتابیں موجود ہیں ان سے بھی گمبریتر صاحب استفادہ کرتے رہتے ہیں ۔ انہیں سید احمد خاں حالی ، شاہ ولی اللہ ، شبلی وغیرہ کی کتابیں نہیں ملتیں ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ پر ان کے پاس شیخ محمد اکرام کی تین کتابیں ، آب کوثر ، رود کوثر ، موج کوثر موجود ہیں ۔

مندرجہ بالا مواد کے علاوہ ان کی معلومات کا ثانوی ماخذ وہ تراجم اور کتابیں ہیں جو یورپی یا امریکی اہل علم حضرات نے لکھی ہیں مثلاً ڈبلیو سی سمتھ (W. C. Smith) ، کے کلارڈ (K. Callard) ، ٹنکر (Tinker) وغیرہ ۔

گمبریتر صاحب کا خیال ہے کہ یورپ میں مشرقی زبانوں اور ثقافت کے مطالعے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے کہ مفکرین اور اہل علم کی اصل تصنیفات مہیا کی جائیں ۔ درسی کتابیں ، گرامر اور اردو اخبارات کا ملنا محال ہے ۔ اردو لغات بھی نہیں ملتیں ۔ دیگر معیاری کتابیں اور رسائل مہیا کرنے کے لیے مناسب انتظامات روبہ عمل لانے کی ضرورت ہے ۔ اس کے علاوہ غیر ملکوں کے طالب علموں کو اردو سکھانے کے لیے کورس تیار کرنے کی ضرورت ہے ۔ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ پاکستان اور یورپ کے اساتذہ مل کر یہ کورس تیار کریں ۔ اس کورس کی تیاری میں روایتی اور جدید لسانیاتی دونوں

---

۱ ، ۲ - یہ دونوں رسالے بند ہوچکے ہیں ۔

طریقہ ہائے تدریس کو پیش نظر رکھنا چاہئے ۔ اردو زبان کی صوتیات ، ترنم (Rhythm) اور لحن یا لہجہ (lutonation) پر باقاعدہ تحقیق کی ضرورت ہے[1] ۔

کتابوں کے علاوہ ریکارڈنگ سے بھی بہت مفید کام لیا جاسکتا ہے۔ اردو میں بات چیت اور گانے وغیرہ ان کے قدرتی پس منظر میں ریکارڈ کیے جائیں تاکہ مغربی اہل علم اردو کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھیں اور سمجھیں ۔ زندہ زبان کی طرح اردو زبان بھی بدل رہی ہے ۔ اس میں نئے الفاظ کا اضافہ ہو رہا ہے ۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سائنس ، صنعت و حرفت ، سیاسیات وغیرہ کے جو نئے الفاظ اردو میں داخل ہوئے ہیں ان کی ایک علیحدہ لغت تیار کی جائے ۔

آخر میں گمبریتر صاحب نے اپنے نوٹ میں تجویز کیا ہے کہ اردو لسانیات ، ادب اور پاکستان کی تاریخ ، جغرافیہ اور دیگر مسائل کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لٹریچر پیرس کے مشرقی زبانوں کے مدرسے کو بھیجا جائے ۔

مشرقی زبانوں کے مدرسے کے کتب خانے میں اردو کی کتابوں کی خاصی تعداد موجود ہے ۔ اس کے علاوہ پیرس کے کتب خانے بیلیوتک ناسیونال اور میوزے گیمے میں اردو کے مخطوطات ہیں جن پر میں نے

۱۔ گمبریتر صاحب نے لسانیات کے بہت اہم پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرانسیسی زبان میں ترنم اور لحن یا لہجہ کو بہت اہمیت حاصل ہے ۔ اگر فرانسیسی زبان کا جملہ اس کے مخصوص لحجہ یا لحن سے نہ بولا جائے تو سننے والے کی سمجھ میں نہیں آئے گا ۔ ہر جملے کو بولتے وقت آواز کے آتار چڑھاؤ ضروری ہیں جن سے ترنم کا سانچہ (Rhythm pattern) بنتا ہے ۔ جہاں تک مجھے علم ہے اردو زبان میں اس موضوع پر ابھی تک کوئی کام نہیں کیا گیا ۔

نوٹ لکھے ہیں اور جو زیر طبع ہیں ۔

اردو زبان کی خدمت کے سلسلے میں یہ امتیاز فرانس ہی کو حاصل ہے کہ اردو زبان کی سب سے پہلی لغت ایک فرانسیسی مشنری فرانسیسین ماری دتور (Franciscion Marie de Tours) نے لکھی تھی اور سب سے زیادہ مبسوط تذکرہ بھی ایک فرانسیسی (گارسیں دتاسی) نے لکھا ۔ افسوس یہ ہے کہ موجودہ صدی میں ہم نے اردو زبان کو فرانسیسی اہل علم سے روشناس کرانے کے لیے کوئی عملی کام نہیں کیا اور نہ فرانسیسی ادب میں ہی جو مشرق اثرات ملتے ہیں ، ان کا مطالعہ کرنے کی طرف سرگرمی سے توجہ دی ہے ، جس کی شدید ضرورت ہے ۔

جرمنی ، بلجیم ، ڈنمارک اور پرتگال

جرمنی

جرمنی میں اردو کی تعلیم کا انتظام مندرجہ ذیل مقامات پر ہے:

— **بیڈ گاڈزبرگ** (Bad Godesberg) کے مشرق انسٹی ٹیوٹ اور Deutche Forschung seimens Schaft میں اردو کی ابتدائی تعلیم کا انتظام ہے۔

— **ہامبرگ** (Hamburg) یونیورسٹی میں پروفیسر آلڈورف (Aldorf) اردو پڑھاتے ہیں۔

— **آدلانگ** (Johann Charlstoph Adelung) کی Mithridates کتاب، ۱۸۰۶ع میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ان تمام معلومات کو جمع کر دیا گیا ہے جو ہندوستانی زبانوں کے بارے میں اٹھارھویں صدی کے آخر تک حاصل ہو چکی تھیں۔ یہ اردو زبان (جسے مصنف "Mohrich" کہتا ہے) کی ساخت پر غالباً سب سے پہلی کتاب ہے۔

— **شلٹزے** (Schultze)۔ ایک مشنری تھا۔ صرف و نحو پر اس کی کتاب کٹلر کی صرف و نحو (جس کا ذکر آگے آئے گا) کے طبع ہونے کے بعد ایک سال بعد شائع ہوئی۔ سنہ طبع ۱۷۴۴ع ہے۔ شلٹزے کو معلوم تھا کہ کٹلری کی کتاب چھپ چکی ہے اور اپنے دیباچے میں اس کا ذکر بھی کرتا ہے۔ شلٹزے کی کتاب لاطینی میں ہے لیکن ہندوستانی الفاظ عربی حروف میں تلفظ کے ساتھ دیے ہیں۔ شلٹزے نے عہد نامہ جدید کا ترجمہ بھی کیا ہے[1]۔

— **جان فریڈرک فرز** (John Feriedrich Feritz) کی کتاب ۱۷۴۸ع میں بمقام لیزگ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں کوئی دو سو سے زیادہ مختلف زبانوں کی ابجدیں درج ہیں۔ دو تین صفحے ہندوستانی ابجد اور فارسی

۱۔ دیکھیے۔

H. U. Weitbrecht: The Urdu New Testament, London, the British and Foreign Bible Society, 1900.

(عربی) حروف کے استعمال کے متعلق بھی ہیں ۔ آگے چل کر ہندوستانی گنتی کے اعداد ایک سے نو تک اور پھر دس بیس تیس وغیرہ ۹۰ تک دیے ہیں اور ان کا تلفظ بھی بتایا ہے ۔ اس کے علاوہ اس نے حضرت عیسیٰ کی دعا کا ہندوستانی ترجمہ تلفظ کے ساتھ دیا ہے جو شلٹزے سے نقل کیا ہے ۔

لاکروزے (Maturin Veyssiere La Creze) ۔ ۱۶۶۱ع میں بمقام نانٹس (Nantes) میں پیدا ہوا ۔ ۱۶۷۳ع میں برلن میں Elector کا مہتمم کتب خانہ مقرر ہو گیا ۔ ۱۷۳۹ع میں انتقال کیا ۔ مہتمم کتب خانہ کی حیثیت سے وہ اپنے وقت کے علما سے مسلسل خط کتابت کرتا رہا ۔ یہ مراسلت اس کی وفات کے بعد شائع ہوئی ۔ بایر ان قابل فضلا میں تھا جو سینٹ پیٹرز برگ میں امپیریل اکادمی کے بانی ہوئے ہیں ۔ بایر کے ایک خط میں جس میں یکم جون ۱۷۲۶ع کی تاریخ درج ہے چند ہندوستانی لفظوں کا ذکر آیا ہے ۔ یہ گنتی کے چار عددوں کے نام ہیں ۔ غالباً یہ پہلے ہندوستانی لفظ تھے جو یورپ میں شائع ہوئے ۔ ان الفاظ کا تلفظ اس خط میں زیادہ صحیح نہیں ۔ بایر نے ان اعداد کو بہتر طور پر اپنی ایک اور کتاب میں بیان کیا ہے جس کا نام Historia Regni Graecorum Bactriani ہے جو ۱۷۳۸ع میں شائع ہوئی[1] ۔

۱۔ بایر اور لاکروز کے مفصل حالات کے لیے دیکھیے :
G. A. Grierson, Journal of Asiatic Society of Bengal, Vol. LXII. 1893, pt. I, p. 42.

بلجیم

برسلز میں ایک ادارہ ''سانتر پورے تو و دے پرابلیم دو ماند موز لہاں کانٹا مپورین'' یعنی موجودہ اسلامی دنیا کے مسائل کے مطالعہ کا مرکز'' قائم ہے اس ادارے میں ایک شعبہ ''ستاڑدے تو دو لانگز و غیانتان'' ہے جس نے اردو کی تعلیم گذشتہ سال ماہ اکتوبر سے شروع کی ہے۔ اس ادارہ میں اردو زبان کے سرٹیفیکیٹ کا کورس تین سال کا رکھا گیا ہے۔ میں نے اردو کے استاد مسٹر سین سے ملاقات کی۔ یہ مغربی پنجاب کے رہنے والے ہیں اور اب ہندوستانی ہیں۔ یہ اردو زبان کی دو کلاسیں اول اور دوم پڑھاتے ہیں۔ اردو کی تعلیم اپنے ابتدائی مراحل میں ہے اور میں نے برسلز میں پاکستان کے سفارت خانہ کے جواں سال سیکنڈ سکریٹری ولی اللہ صاحب سے کہا ہے کہ وہ اردو زبان کی تعلیم میں اس ادارہ کی ہر ممکن مدد کریں۔

ڈنمارک

ڈنمارک کے محققین کی حسب ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

—اوارس ایبل (Iwarus Abel) کی فرہنگ ۱۷۸۲ع میں کوپن ہیگن سے شائع ہوئی۔ اس فرہنگ میں ترپن (۵۳) الفاظ کے معانی کا گیارہ زبانوں میں مقابلہ کیا گیا ہے ان زبانوں میں ہندوستانی بھی شامل ہے۔

—جون کیٹلر (John Joshua Ketelaer or Kotelar or Kettler)
(پیدائش ۱۶۵۹ع — وفات ۱۷۱۸ع)۔

اس نے سب سے پہلے ہندوستانی صرف و نحو لکھی ہے۔ یہ پرشیا کے شہر ایل بنجن میں پیدا ہؤا۔ یہ ولندیزوں کی جانب سے شاہ عالم (۱۷۰۸-۱۲ع) اور جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ع) کے دربار میں بھیجا گیا۔ وہ براہ دہلی لاہور گیا اور آگرے سے گزرا جہاں ولندیزی کمپنی کا ایک کارخانہ تھا۔ ولندیزوں کا وفد ۱۰ دسمبر ۱۷۱۱ع میں لاہور کے قریب پہنچا اور جہاں دار شاہ کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ وہاں سے ۱۴ اکتوبر ۱۷۱۲ع کو روانہ ہو کر ۲۰ اکتوبر، کو آگرے پہنچا۔ آگرے سے یہ لوگ سورت گئے۔ ۱۷۱۶ع میں کٹلر سورت میں ولندیزی کمپنی کا ڈائرکٹر مقرر ہؤا اور تین سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس کے بعد وہ ایران میں سفیر مقرر کیا گیا اور بٹاویا سے جولائی ۱۷۱۶ع میں روانہ ہؤا۔ اس وقت اسے ولندیزوں کی ملازمت یا ایسٹ انڈیز (جزائر مشرق) میں تیس سال ہو گئے تھے۔ جس وقت وہ اصفہان سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں ایرانی گورنر نے اس سے خواہش کی کہ وہ ولندیزی جہاز کو بعض عرب حملہ آوروں کے مقابلے میں اس کے ساتھ ہو کر لڑنے کی اجازت دے۔ کٹلر نے اس سے انکار کیا۔ اس پر ایرانی حاکم نے اسے قید کر لیا۔ قید میں اسے دو ہی روز گزرے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ہندوستانی زبان کی صرف و نحو اور لغت لکھی۔

اس کتاب کا مسودہ ولندیزی زبان میں ہے اور ابھی تک ہیگ (Hague) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ ڈیڈمل نے کیا اور اپنی کتاب Miscellanea Orientalia میں شامل کر کے ۱۷۴۳ع میں شائع کیا۔ کیٹلر کی کتاب اس ترجمے کے ذریعے منظر عام پر آئی[۱]۔

۱۔ دیکھیے۔

J. P. Vogel "Joshua Ketelar of Elbing, author of the first Hindustani grammer", School of Oriental Studies Bulletin, London V. 8 (1936) pp. 817-822.

پرتگال

پرتگال ان مغربی ملکوں میں سے ہے جنھوں نے اول اول انگریزوں سے پہلے ہندوستان کے بعض حصوں میں تجارتی اور سیاسی اقتدار حاصل کیا۔ واسکو دا گاما (پیدائش ۱۴۶۰ع - وفات ۱۵۲۴ع) نے ۱۴۹۸ع میں ہندوستان کا راستہ دریافت کیا اور کالی کٹ میں پرتگیزی نوآبادی قائم کی۔ البوقرق (پیدائش ۱۴۵۳ع - وفات ۱۵۱۵ع) نے گوا اور اس کے قریب کچھ علاقے فتح کیے اور عرصے تک ان علاقوں پر پرتگیزوں کے وائسرائے کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ سولھویں صدی کے شروع ہی میں پرتگیزوں کی تجارتی قوت جبل الطارق سے حبش اور ایران سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں تک پھیل چکی تھی۔ ہندوستان کے جنوبی ساحل پر پرتگیزی نوآبادیاں قائم ہونے کی وجہ سے ایک ایسی زبان پیدا ہوئی جس میں پرتگیزی زبان اور جنوبی ہند کی زبانوں کی آمیزش تھی۔ اس زبان سے متعلق کئی فرہنگیں لکھی گئیں جن کا ذکر یول نے اپنی کتاب ہابسن جابسن میں کیا ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی اہم ہیں۔

—Alexio Cactano Jose, *Francisco Vocabulario Concascism, Portugez, Inglez, Francez, e Hindustani*, Edicao IV 1922.

یہ کتاب پرتگیزی، انگریزی، فرانسیسی اور ہندوستانی الفاظ کی فرہنگ ہے۔

—Authorny xavier Soares, *Portugese Vocables in Asiatic Languages*. Baroda, Oriental Institute 1936.

اس کتاب میں ہندوستانی زبانوں پر پرتگیزی زبان کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

—Ethel M. Pope, *India in Portugese Literature*, Bastora, (Portugese India)

اس کتاب میں قدیم پرتگیزی ادب (خصوصاً شاعری) میں ہندوستان کے بارے میں دلچسپ بیانات ملتے ہیں ۔

—ڈی ۔ ایف ڈائس (D. F. Dias)

انگریزی ، پرتگالی ، گووی ، مرہٹی اور ہندوستانی کی فرہنگ ستارا سے ۱۸۷۹ع میں شائع ہوئی ۔

—پاولو ماریا ہارمن (Paulo Maria Horman)

پرتگالی ، کوکنی ، انگریزی ، ہندوستانی لغت بمبئی سے ۱۸۷۴ع میں شائع ہوئی ۔